81

تدبر

لاہور

جاری کردہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ

مدیر عبداللہ غلام احمد

یکے از مطبوعات

ادارہ تدبر قرآن و حدیث

رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور، پاکستان

ای میل: tadabbur@hotmail.com

قرآنِ حکیم

ترجمہ : مولانا امین احسن اصلاحی
حواشی : مولانا خالد مسعود

خصوصیات:

★ فکرِ فراہی کی روشنی میں قرآن حکیم کا پہلا ترجمہ
★ نفیس کتابت ★ سفید زمین اور رنگین حاشیے کے ساتھ عمدہ طباعت ★ مضبوط جلد

قیمت : سٹینڈرڈ ایڈیشن -/550 روپے ، حمائل ایڈیشن -/396 روپے

فاران فاؤنڈیشن

122۔ فیروز پور روڈ، اچھرہ، لاہور 54600 فون 042-7595200

حیاتِ رسولِ امی ﷺ

تصنیف: مولانا خالد مسعود

خصوصیات:

کتب سیرت میں پائی جانے والی اختلافی روایات کا محاکمہ

قرآن مجید میں بیان کردہ فرائض و احوال رسول اللہ ﷺ پر مبنی سیرت کی منفرد کتاب

رسول امی کے بارے میں سابقہ کتب کی پیشین گوئیوں پر سیر حاصل تبصرہ

★ حواشی اور ضروری حوالے ★ عام فہم سلیس زبان ★ خوبصورت جلد

★ صفحات 600 ★ قیمت -/375 روپے

دارالتذکیر رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

تدبّر لاہور

جاری کردہ
مولانا امین احسن اصلاحی

مُدیر:
عبداللہ غلام احمد

شمارہ 83
مارچ 2004ء
محرم الحرام 1425ھ

مجلس ادارت
عبداللہ غلام احمد
محبوب سُبحانی
سعید احمد
سید اسحاق علی

قیمت	12.50 روپے
سالانہ	50.00 روپے
بیرون ملک	250.00 روپے

(ماسوائے برصغیر)

فہرست

تذکرہ و تبصرہ
قاضی شمشیر کی عدالت / محبوب سبحانی 3

تدبر قرآن
تفسیر سورہ بقرہ 5
حمید الدین فراہیؒ / ڈاکٹر عبید اللہ فراہی

تدبر حدیث
درس صحیح بخاری 16
امین احسن اصلاحی / سید اسحاق علی
درس موطا امام مالک 24
امین احسن اصلاحی / ماجد خاور

مقالات
علامہ حمید الدین فراہیؒ / مولانا خالد مسعودؒ 34
احوال قیامت / محبوب سبحانی 45

بیادِ مولانا خالد مسعود
علم و عمل کی جیتی جاگتی شخصیت / عبدالرشید عراقی 50

مراسلہ و مذاکرہ
اجتہاد کی اہمیت / 53
امین احسن اصلاحی / سید اسحاق علی

ناشر: ادارہ تدبر قرآن و حدیث رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور
E.mail: tadabbur@ hotmail.com

تذکرہ و تبصرہ

محبوب سبحانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قاضی شمشیر کی عدالت

اس وقت مسلمانوں کا مقدر قاضی شمشیر کی عدالت میں پیش ہے۔ بدقسمتی سے بیشتر صورتوں میں مسلمان ہی اپنا مقدمہ عدالت میں لے کر گئے ہیں۔ اس کو ذہنی افلاس کہیے یا جذبات کی آگ کا نام دیجیے۔ ملاؤں کا ایمانی جوش قرار دیجیے یا مایوسی اور بددلی کا ردعمل سمجھیے۔ ظلم کے خلاف انتقام کہہ لیجیے یا وردیوں کا مسئلہ قرار دے لیجیے، لیکن تلخ حقیقت یہ ہے کہ آج کی جابر قوتیں اپنی قہرسامانیوں کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ آور ہیں۔ مسلمانوں کا بہت خون بہہ چکا ہے اور ھل من مزید کا نعرہ ہے۔ فلسطین، عراق، افغانستان، چیچنیا، کشمیر اور دوسرے مقامات کی سرزمین مسلمانوں کے خون سے لالہ زار ہو چکی ہے، نہ معلوم اس کی سیرابی کے لیے مزید کتنا خون درکار ہوگا۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ مسلمان ممالک اپنے بیانات اور مسلمان دانشور اپنی تحریروں اور تقریروں میں امریکہ، برطانیہ، اسرائیل اور بھارت کو اخلاقیات کا درس دیتے رہتے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ وہ یہ نہیں جانتے کہ آج کی اخلاقیات میزائلوں کی نوک سے لکھی جا رہی ہے، ٹینکوں کے گولوں سے داغی جا رہی ہے، بموں سے برسائی جا رہی ہے اور خون مسلم کی سرخی سے لکھی جا رہی ہے۔

اگر مسلمانوں کی ماضی قریب کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو ایک اندازہ کے مطابق الجزائر کی جنگ آزادی میں تقریباً 25 لاکھ مسلمان شہید ہوئے۔ ہندوستان کی تحریک آزادی میں پانچ لاکھ مسلمان اور علماء شہید ہوئے۔ تحریک پاکستان کے دوران لاکھوں افراد کام آئے۔ شام، عراق، ایران، فلسطین اور دوسرے علاقوں میں اسلام کے نام پر جانیں قربان کرنے والوں کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ اتنا خون بہہ جانے کے باوجود حاصل کچھ نہیں ہوا بلکہ اس کا نتیجہ الٹا نکلا۔ خلافت اسلامی اور اتحاد عالم اسلام کی تحریکوں کے لیے ان گنت قربانیاں دینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ساری مسلم دنیا بہت سی قومی حکومتوں میں تقسیم ہو گئی۔ قیام پاکستان کے لیے لاکھوں افراد کی قربانیوں کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ یہاں وہ لوگ برسراقتدار آتے رہتے ہیں جو یہ بھی نہیں جانتے کہ اسلامی حکومت کیا ہوتی ہے اور یہ کیسے قائم کی جا سکتی ہے۔ مصر میں اسلامی اقتدار کے

قیام کے لیے عظیم الشان تحریک برپا کی گئی مگر جب مصر کی قسمت کا فیصلہ ہوا تو وہ فوجی جوانوں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ نصف صدی سے فلسطین کی یہودی ریاست کو مٹانے کے لیے جہاد جاری ہے۔ مسلمان بے پناہ جانی و مالی قربانیاں دے رہے ہیں مگر اسرائیل کی قوت اور وسعت میں برابر اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔

کشمیر میں ایک لاکھ مسلمان جان کا نذرانہ پیش کر چکے ہیں، لیکن حق خود ارادیت کا حصول سراب بن گیا ہے اب قابل قبول حل کی باتیں ہو رہی ہیں۔ افغانستان سے روس کو رسوا کر کے نکالنے کے لیے جہاد کرنے والے آپس میں برسرپیکار ہیں۔ مسلمان، مسلمان کا خون بہا رہا ہے۔ دہشت گردی ختم کرنے کے نام پر امریکہ اور اس کے حواریوں کو افغانستان کو تباہ و برباد کرنے کا موقع مل گیا۔ اس طرح عراق کو ایران اور کویت سے لڑانے والے اب عراق کو ملیامیٹ کرنے پر تلے ہوئے ہیں غرضیکہ ہر جگہ مسلمان ہی ان طاغوتی قوتوں کے نشانہ پر ہیں۔ مختصر یہ کہ موجودہ زمانہ کی اسلامی تحریکوں میں تقریباً دس کروڑ افراد ہلاک و برباد ہوئے۔ اس کے باوجود ایسا کوئی چھوٹا سا خطہ نہیں جہاں اسلامی انقلاب حقیقی معنوں میں کامیاب اور نتیجہ خیز نظر آتا ہو۔

اگر اس کا مقابلہ صدر اول سے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلامی تحریک میں صرف ایک ہزار مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا، لیکن انہوں نے ایسا انقلاب برپا کیا جس کے اثرات ساری دنیا نے محسوس کیے اور آج بھی محسوس کیے جا رہے ہیں۔

یہ مختصر سا جائزہ ظاہر کرتا ہے کہ مسلمانوں نے محاذ آرائی کی جو سیاست اختیار کر رکھی ہے وہ فائدہ کی بجائے الٹا نقصان پہنچا رہی ہے۔ مسلمان سیاست کی چٹان پر سر پٹک رہے ہیں کیونکہ غلط سوچ کی بنا پر انہیں اس کے سوا کوئی اور راستہ دکھائی نہیں دیتا لہٰذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے مسائل کے حل کے لیے پرامن راستے تلاش کریں۔ مسلمان دانشوروں، مفکروں اور علمائے کرام کو مسلمانوں کو اس خونچکاں صورت حال سے نکالنے کی تدبیر کرنی چاہیے اور برسرپیکار مسلمان تنظیموں کو ایسے حل پر آمادہ کرنا چاہیے جس سے مسلمانوں کا خون بہنا بند ہو جائے اور مسائل کے پرامن حل کی راہیں نکل سکیں۔ اس مسئلہ میں سبک سری کا معاملہ درمیان میں نہیں آنا چاہیے۔ اس کے لیے صلح حدیبیہ سے رہنمائی لینی چاہیے جہاں حضورؐ سبک سری کا معاملہ درمیان میں نہیں لائے اور حالات کے تقاضہ کے مطابق صلح کی شرائط قبول کر لیں جس سے صحابہ کرام دل شکستہ بھی ہوئے، لیکن اسی معاہدہ نے کامیابی کی راہیں کھولیں اور فتح مکہ کی راہ ہموار کی۔ اس لیے موجودہ حالات کا بے لاگ تجزیہ کرنے کے بعد جو بہترین حل ممکن ہو اس کو نکالنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو یہ تمام کوششیں اسلام کے سیاسی غلبہ کے لیے کی جا رہی ہیں حالانکہ مقصد اسلام کا فکری غلبہ ہونا چاہیے اس کے لیے قرآن مجید کا گہرا مطالعہ کر کے اسلام کا صحیح فہم حاصل کیا جائے اور اسوہ حسنہ کی روشنی میں اس کو عام کیا جائے۔ اس زمانہ میں ابلاغ کی جدید ترین سہولتیں حاصل ہیں ان سے فائدہ اٹھا کر اسلام کی دعوت عام کی جائے اور لوگوں کے دل و دماغ کو مسخر کرنے کی جدوجہد کی جائے۔ بلاشبہ بہت سے ادارے یہ کام کر رہے ہیں لیکن جو قوتیں محاذ آرائی کے راستہ پر چل نکلی ہیں ان کو اپنی تمام قوتیں اور صلاحیتیں اس کام پر صرف کرنی چاہئیں۔

مقالات اصلاحیؒ کی دوسری جلد شائع ہو گئی

صفحات: 432 قیمت:250 روپے

مولانا امین احسن اصلاحیؒ سب سے الگ اور سب سے جداگانہ شان کے مفسر قرآن تھے۔ انہوں نے

☆ اسلامی معاشرے کے سب سے بڑے آدمی

☆ قرآنی عجائبات کے مخزن ...... نظم قرآن

☆ مرد کو چار شادیوں کی اجازت اور عورت کی عظمت و حرمت

☆ عورت کی حکمرانی کے مفسدات و نقصانات

☆ ہمارے دینی نظام تعلیم ...... اور علامہ اقبال، مولانا ابوالکلام آزادؒ، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ اور دیگر عنوانات و شخصیات پر جو کچھ لکھا ہے اس کا ایک ایک حرف آگہی کے دریچے کھولتا ہے۔ مولاناؒ کے شاگرد جناب خالد مسعود علیہ الرحمہ نے یہ تمام قلمی جواہر پارے سلیقے سے مرتب کر کے "مقالات اصلاحیؒ" کے زیر عنوان شائع کر دیے۔ اب اسی کتاب کی دوسری جلد تمام تر طباعتی محاسن کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ ایمان میں تازگی اور بصیرت افروزی کے لیے خود بھی پڑھیے اور دوسروں کو بھی اس کے مطالعے کی دعوت دیجیے۔ یہ کتاب

ع...... گوش نزدیک لبم آر کہ آوازے ہست!

کی دل آویز تفسیر ہے

ملنے کے پتے: ادارہ تدبر قرآن و حدیث، رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور

فاران فاؤنڈیشن، 122 فیروز پور روڈ، اچھرہ، لاہور

حمید الدین فراہی / ترجمہ: ڈاکٹر عبید اللہ فراہی

تفسیر سورہ بقرہ

ـ۹ـ

ویقیمون الصلاۃ: صلی اور اقام الصلاۃ (نماز پڑھنے اور نماز قائم کرنے) کے درمیان باریک سا فرق ہے۔ اس وجہ سے کہ اقامت میں تسویہ کا مفہوم شامل ہے یعنی کسی چیز کو بالکل درست طریقہ پر قائم کرنا یا بنا سنوار دینا۔ چنانچہ صلوۃ کے ساتھ اقامت کا لفظ استعمال کر کے قرآن مجید نے ان چیزوں کی طرف متوجہ کر دیا جن کا پاس و لحاظ نماز میں ضروری ہے۔

۱۔ ان میں سب سے پہلی چیز اخلاص ہے تاکہ نماز پوری یکسوئی کے ساتھ صرف خدائے واحد کے لیے پڑھی جائے۔ نماز کو درست طریقہ پر ادا کرنے کا پہلا مرحلہ یہی ہے جیسا کہ فرمایا ہے:

وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ۔ (اعراف: ۲۹)

٭ اور یہ کہ ہر سجدہ گاہ کے پاس اپنا رخ اسی کی طرف کرو اور اسی کو پکارو اطاعت کو اس کے لیے خاص کرتے ہوئے۔٭

نیز فرمایا ہے:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا۔ (روم: ۳۰)

یہیں سے نماز میں توحید اور دین کے مرکز کی طرف رخ کرنے کی بات بھی نکل آئی۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اس کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے:

وَاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ۔ (یونس: ۸۷)

٭ اور اپنے گھروں کو قبلہ بناؤ اور نماز کا اہتمام کرو۔٭

۲۔ دوسری چیز نماز کے اصل مقصود کو برابر دھیان میں رکھنا ہے اور وہ ذکر اور خشوع کی حالت ہے جس سے دھیان کے ہٹنے اور اس کے برخلاف جانے کا مطلب ہوگا کہ نماز قائم نہیں کی بلکہ اسے بگاڑ کر

اللہ تعالیٰ کے ذکر کے کام ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے آپ غافل نہ ہوں اور نیکی کے یہ کام آپ کرتے رہیں تو ہوسکتا ہے کہ آپ کے دل میں اللہ تعالیٰ آپ پر یہ کیفیت طاری کر دے اور آپ کو اطمینان قلب حاصل ہو جائے۔

انسانی فطرت:

سوال: سورہ یوسف کی آیت ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۰ ۴۰ کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ اگر انسان کا فطری دین یہی ہے تو انسانوں کی اکثریت کو تو اسے صحیح ماننا چاہیے۔

جواب: انسان کی فطرت حیوانات کی جبلت سے مختلف ہے۔ حیوانات اپنی جبلت کے پابند ہیں اس لیے کہ ان کو اختیار حاصل نہیں ہے۔ انسان کی فطرت اس کے اختیار کے تحت ہے اس لئے انسان اگر چاہے تو اپنی فطرت کو بھی مسخ کر سکتا ہے۔ اگر ہم چاہیں تو ہم اپنی فطرت کے مطابق راستہ اختیار کر لیں اور اگر نہ چاہیں تو نفس پرستی میں، خواہشات میں، طمع میں، حیوانیت میں مبتلا ہو کر اپنی فطرت کو بگاڑ بھی سکتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ''کل مولود یولد علی الفطرۃ'' جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ چاہے کسی کافر کے گھر میں پیدا ہو یا کسی مومن کے گھر میں، وہ فطرت ابراہیمی پر پیدا ہوتا ہے، لیکن معاشرہ، ماحول، باپ دادا اور خاندان اس کو بنانے یا بگاڑنے میں بڑا دخل رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے بھی رسولوں کے ذریعہ، اپنی کتابوں تورات، انجیل اور قرآن کے ذریعہ راہنمائی کا انتظام کر دیا ہے۔ یہ بات بھی ہے کہ جس طرح دنیا میں احمق قسم کے لوگ پیدا ہوتے ہیں اس ہی طرح عاقل لوگ بھی پیدا ہوتے ہیں جو سیدھی راہ بتاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہر دور میں پیدا کرتا رہے گا۔

اگر اختیار آپ سے سلب کر لیا جائے تو آپ حیوان ہو کر رہ جائیں گے، انسان نہیں رہیں گے۔ اختیار آپ کے پاس ہے، عقل آپ کے پاس ہے۔ آپ اس عقل سے کام لیں گے تب یہ ہوگا کہ آپ صحیح راستے پر چل سکیں گے۔ قرآن حکیم موجود ہے، حدیث موجود ہے اور سب کچھ دیا ہے۔ آپ ان کو استعمال کریں تو انشاء اللہ کامیاب رہیں گے اور اگر استعمال نہیں کریں گے تو تباہ ہو جائیں گے۔ یہی بات اچھی طرح سمجھنے کی ہے۔

نام کتاب	قیمت
تالیفات امام حمید الدین فراہیؒ	
[illegible]	328/-
[illegible] (ترجمہ: خالد مسعود)	80/-
[illegible] (ترجمہ: خالد مسعود)	96/-
تالیفات مولانا امین احسن اصلاحیؒ	
[illegible] (9 جلد)	2952/-
[illegible] (فی جلد)	328/-
[illegible] شرح امام مالک	350/-
[illegible] شرح صحیح بخاری	360/-
[illegible]	120/-
[illegible]	105/-
[illegible]	165/-
[illegible]	60/-
[illegible]	60/-
[illegible]	285/-
[illegible]	120/-
[illegible]	120/-

نام کتاب	قیمت
اسلامی قانون کی تدوین	90/-
اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل	90/-
اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام	120/-
قرآن میں پردے کے احکام	15/-
فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں	138/-
تفہیم دین	105/-
مقالات اصلاحی (جلد اول)	195/-
اصول فہم قرآن	34/-
مقالات اصلاحی (جلد دوم زیر طبع)	--
اسلامی ریاست (زیر طبع)	--
تالیفات مولانا خالد مسعودؒ	
قرآن حکیم (سٹینڈرڈ ایڈیشن)	550/-
(عام ایڈیشن) (مع ترجمہ اور اختصار تفسیر تدبر قرآن) ترجمہ: مولانا امین احسن اصلاحی حواشی: مولانا خالد مسعود	396/-
حیات رسول امیﷺ	375/-
اسباق نحو	36/-

ملنے کے پتے:

- **ادارہ تدبر قرآن و حدیث**، رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی سمن آباد لاہور
- **فاران فاؤنڈیشن** 122۔ فیروزپور روڈ، اچھرہ، لاہور۔ 54600 فون: 042-7595200
- **دارالتذکیر** رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

دیا جیسا کہ فرمایا ہے:

وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِی۔ (طٰہٰ:۱۴)

﴿اور میری یاد کے لیے نماز کا اہتمام کرو۔﴾

نیز فرمایا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ۔ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۔ (مومنون:۱۔۳)

﴿فائز المرام ہوئے وہ اہل ایمان جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں اور جو لغویات سے احتراز کرنے والے ہیں۔﴾

۳۔ تیسری چیز نماز کو ٹھیک اس طرح ادا کرنا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہم کو بتایا ہے، نہ کہ اس میں اپنی طرف سے کمی کر دی جائے۔ قصر کی رخصت محض بحالت ضرورت دی ہے۔ اسی لیے فرمایا ہے:

فَاِذَا اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ۔ (بقرہ:۲۳۹)

﴿پھر جب خطرہ دور ہو جائے تو اللہ کو اس طریقہ پر یاد کرو جو اس نے تم کو سکھایا ہے۔﴾

نیز فرمایا ہے:

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا۔ اِنَّ الْكٰفِرِیْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا۔ وَاِذَا كُنْتَ فِیْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوۃَ ......

(نساء:۱۰۱۔۱۰۲)

﴿اور جب سفر میں نکلو تو اس امر میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ نماز میں قصر کرو اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ اہل کفر تم کو فتنہ میں ڈال دیں گے، بیشک کفار تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہیں اور جب تم ان کے درمیان موجود ہو اور نماز ان کے لیے کھڑی کر دی ہو تو......﴾

صفوں کو درست کرنا اور نماز کے ارکان کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنا اسی میں شامل ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

تسوية الصفوف من اقامة الصلاة (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب اقامۃ

الصف من تمام الصلوۃ)

﴿صفوں کو درست کرنا اقامت صلوٰۃ کا حصہ ہے۔﴾

۴۔ چوتھی چیز نماز کو اس کے صحیح وقت پر ادا کرنا ہے جیسا کہ فرمایا ہے:

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ (اسراء:۷۸)

﴿نماز کا اہتمام کرو زوال آفتاب سے لے کر رات کے تاریک ہونے تک اور فجر کے وقت قرآن کی قرأت کا۔﴾

نمازوں کی محافظت یا ان کی نگہداشت کے یہی معنی ہیں جیسا کہ فرمایا ہے:

حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ (بقرہ:۲۳۸)

﴿نمازوں کی نگہداشت رکھو﴾

نیز فرمایا ہے:

وَهُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ۔ (انعام:۹۲)

﴿اور جن کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں﴾

۵۔ پانچویں چیز برابر پابندی کے ساتھ نماز ادا کرنا ہے جیسا کہ فرمایا:

اَلَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ۔ (معارج:۲۳)

﴿وہ جو اپنی نمازوں کی مداومت رکھتے ہیں﴾

۶۔ چھٹی چیز جماعت اور جمعہ کا قیام ہے خاص طور پر جب اس کی اضافت امت یا امام کی طرف ہو جیسا کہ فرمایا ہے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (حج:۴۱)

﴿ان لوگوں کو اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں گے تو وہ نماز کا اہتمام کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے روکیں گے۔﴾

حضرت ابراہیمؑ کی دعا میں آیا ہے:

رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ۔ (ابراہیم:۳۷)

﴿اے ہمارے رب! میں نے اپنی اولاد میں سے کچھ کو ایک وادی غیر ذی زرع میں تیرے محترم گھر کے پاس بسایا ہے اے ہمارے رب! تاکہ وہ نماز کا اہتمام کریں۔﴾

خلاصہ یہ ہے کہ **یقیمون الصلاۃ** کا لفظ بہت سے پہلوؤں پر دلالت کرتا ہے۔ اقامت صلاۃ کا یہ مفہوم سلف کے یہاں متفق علیہ ہے۔ اس لیے یہ کہنا کہ اقامت سے صرف نماز کی ادائیگی مراد ہے اور اس کے لیے اقامت کا لفظ اس مقصد سے آیا ہے کہ اس میں قیام کی ہیئت پائی جاتی ہے جس طرح نماز کی تعبیر کے لیے قنوت، رکوع، سجود اور تسبیح و ذکر کے کلمات آتے ہیں بہت ہی کمزور تاویل ہے کیوں کہ یہ الفاظ نماز کی ظاہری ہیئت پر دلالت نہیں کرتے بلکہ ان کے اندر نماز کی بہت ہی اہم حقیقت کی جلوہ گری ہے۔ نماز کے لیے محض قیام وقعود کے الفاظ استعمال نہیں کیے بلکہ تسبیح اور رکوع وغیرہ سے تعبیر کیا گیا۔ یہ الفاظ تضرع، انابت اور یاد الٰہی پر دلیل ہیں۔ نیز محض صلاۃ کا لفظ تو غیر مسلموں کے لیے بھی آیا ہے جبکہ اقامت صلاۃ کا لفظ صرف تعریف وتحسین کے موقع ومحل میں استعمال ہوا ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس میں کچھ زائد باتیں شامل ہوں جو مدح کا پہلو رکھتی ہوں۔

و مما رزقناھم ینفقون: اس ٹکڑے کا مفہوم بلاغت کی فصل میں گزر چکا ہے اس لیے اس کی طرف رجوع کیجئے۔ سولہویں فصل میں کچھ مزید باتیں اس کے متعلق آئیں گی۔

والذین یومنون بما انزل الیک......الآیۃ. بلاغت کی فصل میں یہ بات آچکی ہے کہ اس عبارت سے یہ مطلب نہیں نکلتا کہ یہ وصف ان کے علاوہ لوگوں کا بتایا گیا ہے جن کا ذکر پہلے سے چلا آرہا ہے۔ اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس سے ایمان لانے والے اہل کتاب مراد ہیں بلکہ ہر وہ مومن جو صحیح الایمان ہو اس آیت کا مصداق ہے۔ اب ہم قرآن مجید کے نظائر سے اس پر استدلال کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر اس امت کے لوگوں کا یہ وصف بتایا ہے کہ وہ ان تمام کتابوں پر ایمان لاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہیں جیسا کہ اسی سورہ میں ہے:

قُولُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَ إِسْمَاعِيلَ وَ إِسْحٰقَ وَ يَعْقُوبَ وَالأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَ عِيسَى وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَ نَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ. (۱۳۶)

﴿کہہ دو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کی گئی نیز جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد کی طرف اتاری گئی اور اس پر بھی

ایمان لائے جو موسیٰ وعیسیٰ اور نبیوں کو ان کے رب کی جانب سے ملی۔ ہم ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے ہم صرف اسی کے فرماں بردار ہیں۔﴾

اور اس ایمان کو اسلام کی حقیقت قرار دیا اور ایمان لانے والوں کو پہلے ہی سے مسلم کہہ دیا۔

اور آل عمران کی یہ آیت بھی اسی کے مشابہ ہے:

قُلْ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ الآیہ (۸۴)

﴿کہہ دو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس کتاب پر جو ہم پر اتاری گئی اور جو ابراہیم پر نازل کی گئی﴾

نیز یہ آیت بھی:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تَنْقِمُونَ مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَ إِنَّ أَكْثَرَكُمْ فَاسِقُونَ. (مائدہ:۵۹)

﴿ان سے کہہ دو کہ اے اہل کتاب! کیا تم ہم سے صرف اس بات کا انتقام لے رہے ہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس چیز پر جو ہماری طرف اتاری گئی اور جو پہلے نازل کی گئی اور تم میں سے اکثر نافرمان ہیں۔﴾

یہ ساری باتیں اہل کتاب پر حجت قائم کرنے کے لیے اس طور پر بیان ہوئی ہیں کہ ان کے اور امت محمدی کے درمیان امتیاز پیدا ہو گیا ہے۔ اس وجہ سے کہ ہم اہل اسلام اللہ کی نازل کردہ تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اس اعتبار سے کہ وہ منزل من اللہ ہیں جبکہ اہل کتاب صرف اپنی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ بھی اگلوں کی تقلید اور پرانی ڈگر پر قائم رہنے کی عادت کی بنا پر۔

اولئک علی ھدی من ربھم: یہ آیت ان ہی لوگوں کی طرف لوٹ رہی ہے جو مذکورہ بالا پانچ صفات کے حامل بتائے گئے ہیں یعنی تقویٰ، ایمان بالغیب، اقامت صلاۃ، انفاق، ان تمام کتابوں پر ایمان جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہیں اور آخرت پر یقین۔ اس طرح واضح کر دیا کہ یہ کتاب ان کے لیے ہدایت ہے اور اس سے وہ مزید ہدایت، روشنی اور علم وحکمت کی توفیق پاتے ہیں اور اسے اپنی زندگی کا طریقہ اور دستورالعمل بناتے ہیں اور برابر اس سے اشتغال رکھتے ہیں۔ چنانچہ ان کو دائمی ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ چوں کہ یہ جملہ اسمیہ ہے اس لیے اس سے دوام کا مفہوم نکلتا ہے نیز اس میں سابق ہدایت کی طرف بھی اشارہ ہے۔ گویا پوری بات یوں کہی گئی ہے کہ یہی لوگ ہیں جو اپنے نور فطرت پر قائم ہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو فطری طور پر ہدایت بخشی ہے اور انہوں نے ہدایت کی اس روشنی کو ضائع نہیں کیا

جسے اللہ تعالیٰ نے اول دن ان کو عطا کیا تھا پھر اسی سے وہ ہدایت بھی آ کر جڑ گئی جس کو انہوں نے اس کتاب کے واسطے سے حاصل کیا۔ چنانچہ یہی لوگ جن کے یہ اوصاف بتائے گئے ہیں وہ ہیں جو فطرت کی روشنی پر باقی ہیں اسی وجہ سے قرآن ان کے لیے ہدایت بنا۔

لہٰذا دونوں تاویلوں میں کوئی تضاد نہیں ہے کیوں کہ ھدی کا لفظ عام ہے اور نظائر سے بھی دونوں باتیں ثابت ہوتی ہیں:

ایک اہل بصیرت کا قرآن سے نفع حاصل کرنا۔ اس کی مثالیں بہت ہیں۔

دوسرے مستقبل میں ان کا برابر اس سے نفع اندوز ہوتے رہنا جیسا کہ فرمایا ہے:

اَلَم تَرَ کَیفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا کَلِمَةً طَیِّبَةً کَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ اَصلُهَا ثَابِت وَ فَرعُهَا فِی السَّمَاءِ تُوتِی اُکُلَهَا کُلَّ حِینٍ بِاِذنِ رَبِّهَا وَ یَضرِبُ اللّٰهُ الاَمثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُم یَتَذَکَّرُونَ. (ابراہیم: ۲۴-۲۵)

﴿کیا تم نے غور نہیں کیا کہ کس طرح تمثیل بیان فرمائی ہے اللہ نے کلمۂ طیبہ کی جو ایک شجر طیبہ کی مانند ہے اسکی جڑ مضبوط اور اس کی شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں۔ وہ اپنا پھل ہر وقت اپنے رب کے حکم سے دیتا رہتا ہے اور اللہ لوگوں کے لیے تمثیلیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ یاددہانی حاصل کریں۔﴾

نیز فرمایا ہے:

وَیَزِیدُ اللّٰهُ الَّذِینَ اهتَدَوا هُدًی. (مریم: ۷۶)

اور یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ قرآن کی ہدایتوں پر چلنے والوں کی روشنی اور حکمت میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو مبارک اس وجہ سے کہا ہے کہ اس کے ذریعہ وہ اس میں غور وفکر کرنے والوں کے اندر خیر کو بڑھا دیتا ہے جیسا کہ فرمایا ہے:

کِتَابٌ" اَنزَلنَاهُ اِلَیکَ مُبَارَکٌ" لِیَدَّبَّرُوا آیَاتِهِ وَلِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الاَلبَابِ. (ص: ۲۹)

چنانچہ متعلقہ آیت میں یہ بات کہی گئی ہے کہ یہی لوگ جو اپنے رب کی طرف سے ایک روشنی پر ہیں اور اس کے ساتھ قرآن کی روشنی بھی شامل ہوگئی ہے جس کی وجہ سے ان کے نور پر نور کا اضافہ ہوگیا ہے اور اس کے ذریعہ انہوں نے اپنی زندگی کو درست کرلیا جس کے لیے وہ پہلے ہی سے آمادہ تھے۔ چنانچہ وہی فلاح یاب ہوئے اور اللہ ہی سزاوار حمد وشکر ہے دنیا وآخرت میں۔

۱۲۔ آیات ۱-۵ میں غور وفکر کے بعض مقامات:

معلوم ہونا چاہیے کہ ان آیات میں غور وفکر کے بہت سے مقامات ہیں جن کے بعض گوشوں کی طرف ہم نے پچھلی فصلوں میں اشارے کردیے ہیں۔ چوں کہ ان سب کی تفصیل بیان کرنا بہت زیادہ موجب طوالت ہوتا اور ان آیات کی بعض باتوں کے لیے قرآن مجید میں نظائر بھی موجود ہیں اس لیے ہر چیز کی پوری تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ یہاں ہم صرف ان ہی باتوں کے ذکر پر اکتفا کریں گے جو اس مقام کے زیادہ شایاں ہیں اور انہیں حسب ذیل مقامات کے تحت بیان کریں گے۔

پہلا مقام۔ حروف مقطعات کے بیان میں:

ملا حروف مقطعات کی توجیہ وتشریح میں مختلف سمتوں میں گئے ہیں اور ہماری معلومات کی حد تک اس باب میں ان کے انتیس اقوال پائے جاتے ہیں لیکن وہ مجھے قرآن مجید پر مبنی نہیں دکھائی دیے اس لیے ہماری تفسیر میں ان کے ذکر کا کوئی محل نہیں ہے اور اگر قرآن میں اس طرف کوئی اشارہ موجود نہ ہوتا تو میں ہرگز اس بحث میں نہ پڑتا اور اسے ویسے ہی لپیٹ کر رکھ دیتا۔ اٰنَستُ نَارًا لَّعَلِّی آتِیکُم مِنهَا بِقَبَسٍ (مجھے کچھ آگ سی دکھائی دی ہے۔ ممکن ہے اس میں سے کوئی انگارہ لاکر پیش کرسکوں) اور اللہ جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔

عربوں کا یہ طریقہ تھا کہ جب وہ کسی چیز کا کوئی نیا نام رکھتے تھے تو اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ وہ نام اس چیز سے مناسبت رکھتا ہو یا اس کے کسی امتیازی وصف کو ظاہر کررہا ہو جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بعض نامور افراد کے القاب اسی اعتبار سے رکھے ہیں جیسے الملک الضلیل، مرقش اور تابط شرا وغیرہ۔ چونکہ اسم کا لفظ وسم سے نکلا ہے اس لیے جو نام کسی چیز کی علامت بن گیا ہو وہی اس کا نام رکھے جانے کے لائق ہوتا ہے۔ اسی انداز پر بعض سورتوں کے نام رکھے گئے ہیں جیسے روم، نمل، بقرہ اور عنکبوت۔ چونکہ یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ یہ حروف مقطعات سورتوں کے نام ہیں اس لیے ضروری ہے کہ ان حروف سے کچھ معنی ہوں اور ان کے مرکبات بھی مرکب ناموں مثلاً معدی کرب وغیرہ کی طرح بامعنی سمجھے جائیں۔

ہمیں معلوم ہے کہ لغت عرب میں حروف کے جو نام ہیں وہ اپنی اصل کے اعتبار سے ہندی اور انگریزی حروف کی طرح محض آوازوں کے نام نہیں ہیں بلکہ یہ اشیاء کے نام اور ان کی صورتیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں بہت سے ان اشیاء کے ناموں سے بولے جاتے ہیں اور انکی ہیئت پر لکھے جاتے ہیں جن میں ان اشیاء کے اشکال کی کچھ نہ کچھ جھلک پائی جاتی ہے جس طرح چینیوں کے حروف ان تصویروں اور شکلوں کے بقایا جات ہیں جو شروع دور میں ان ہی کی ہیئت پر بنائے گئے تھے۔

نیز ہمیں ان حروف کے ناموں سے کچھ معانی کا بھی پتہ ہے مثلاً ''الف'' گائے کے نام کو بتاتا اور اسی کے سر کی صورت پر لکھا جاتا تھا۔ اسی طرح حرف ''ب'' کو عبرانی میں بیت یعنی گھر کہتے ہیں اور حرف ''ج'' کا نام جیمل یعنی اونٹ ہے یہی حال دوسرے حروف کا بھی تھا۔

اور یہ ایک ثابت شدہ معلوم حقیقت ہے جس سے عربی رسم الخط کی تاریخ سے واقفیت رکھنے والے بے خبر نہیں ہو سکتے کیوں کہ ہم جانتے ہیں کہ عربی زبان کے حروف ان عبرانی حروف کی مہذب شکلیں ہیں جو عرب قدیم سے لیے گئے تھے اور عرب قدیم سے ان حروف کو قبطیوں (پرانے مصریوں) نے لے کر خط تمثال میں لکھا جو اہرام مصر پر کتبات کی شکل میں موجود ہیں لیکن انہوں نے اپنے تصورات کے مطابق ان میں تبدیلی پیدا کردی اور نئی چیزیں ملا دیں۔

پھر قرآن مجید نے بھی اس نکتہ کی طرف ہماری رہنمائی کی ہے۔ اس میں ایک سورہ کا نام ایک ایسے حرف پر رکھا گیا ہے جو عربی زبان میں اب بھی اپنے قدیم معنی میں مستعمل ہے۔ اور وہ حرف ''ن'' ہے جس کے معنی مچھلی کے ہیں اور جو سورہ اس نام سے موسوم ہے اس میں صرف حضرت یونس علیہ السلام کا تذکرہ ہے۔ ان کے علاوہ کسی دوسرے پیغمبر کا ذکر اس میں نہیں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سورہ میں صاحب الحوت کے نام سے پکارا ہے۔ اس میں ان لوگوں کے لیے ایک اشارہ ہے جو وجہ تسمیہ معلوم کرنے کا ذوق رکھتے ہیں۔ پس اگر اس سورہ کا نام اس حرف کے معنی کی وجہ سے ''ن'' رکھا گیا ہے تو بہت ممکن ہے کہ باقی سورتیں بھی جو حروف کے ناموں پر ہیں وہ ان حروف کے ابتدائی معانی کے لحاظ سے ان سے موسوم ہوئی ہوں۔

یہ چیز ہم کو ان معانی میں غور و فکر پر ابھارتی ہے جن کی طرف ہمارے عربی کے حروف خط تمثالی کی صورت میں اشارہ کرتے ہیں۔ جب میں نے اس پر غور کیا تو بعض دوسرے حروف کو اس کا مؤید پایا۔ مثلاً حرف ''ط'' کی عبرانی شکل جیسی ہوتی ہے جس کے معنی سانپ کے ہیں۔ اس حرف کو سانپ ہی کی طرح اس کے اوپر حصہ کو اٹھا کر اور نچلے حصہ کو حلقہ کی شکل دے کر لکھا جاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ طٰہٰ کے نام سے جو سورہ موسوم ہے وہ تمہید کے بعد حضرت موسیٰ اور ان کے عصا کے سانپ بن جانے کے واقعہ سے شروع ہوتی ہے۔

پھر اس قیاس کو میں نے طرداً و عکساً دونوں پہلوؤں سے جانچا تو پایا کہ دوسری سورتیں بھی جو حرف ''ط'' سے شروع ہوتی ہیں یعنی ''طسم''، ''طس''، اور ''طسم'' وہ سب کی سب حضرت موسیٰ کے قصہ سے شروع ہوتی ہے اور اسی کے ساتھ ان میں ان کی لٹھیا اور اس کے سانپ بن جانے کا بھی ذکر ہے۔ اسی

طرح میں نے دیکھا کہ ان چاروں سورتوں کے علاوہ باقی میں یا تو حضرت موسیٰ کا واقعہ سرے سے بیان ہی نہیں ہوا ہے یا جن سورتوں میں بیان ہوا ہے اگرچہ ان کی تعداد زیادہ ہے لیکن وہ سانپ کے تذکرہ سے بالکل خالی ہیں سوائے سورہ اعراف کے جس میں قصہ موسیٰ سابق انبیاء کرام مثلاً حضرت نوح، ہود، صالح، لوط اور شعیب علیہم السلام کے واقعات کے ضمن میں آیا ہے اس لیے حرف ''ط'' کو اس کے مناسب حال نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ باقی مذکورۃ الصدر تمام سورتیں حضرت موسیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں اور میں اس معاملہ میں پہلا شخص نہیں ہوں جس نے ان سورتوں کو حضرت موسیٰ کے ساتھ مخصوص کیا ہے بلکہ بعض دوسرے علماء بھی اس بات سے کسی قدر واقف تھے۔ چنانچہ امام سخاوی نے کہا ہے کہ سورہ طٰہٰ کا نام سورۃ الکلیم ہے اور ہذلی نے اپنی کتاب الکامل میں اسے سورہ موسیٰ کے نام سے موسوم کیا۔ (الاتقان،۱:۳:۱۷۴)

جہاں تک الم کا تعلق ہے اس میں حرف ''الف'' کی لکھاوٹ گائے کے سر سے ملتی جلتی تھی اور یہ نشان ان کے نزدیک خدائے واحد پر دلالت کرتا تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید کی جتنی سورتیں ''الف'' سے شروع ہوتی ہیں ان سب میں توحید کا مضمون بہت اہتمام کے ساتھ بیان ہوا ہے، لیکن قرآنی تعلیمات میں غالب حصہ چونکہ توحید ہی کا ہے اس لیے اس کو بطور دلیل کے پیش نہیں کیا جا سکتا۔ قصہ مختصر یہ کہ یہ بات ہماری معلومات کو رد نہیں کرتی، میں اس کا دعویٰ نہیں کرتا کہ ان حروف کے تمام معانی کا علم مجھ کو حاصل ہو گیا ہے، لیکن جو تھوڑی سی معلومات اس سلسلہ میں حاصل ہوئی ہیں وہ قرآن سے ہمارے استدلال کی تائید کرتی ہیں۔ جو لوگ مزید تحقیق و جستجو کا شوق رکھتے ہیں اور اس سمندر میں اترنے کی فرصت اور حوصلہ اپنے اندر پاتے ہیں ان کے لیے یہ اشارات کافی ہیں۔ **و فوق کل ذی علم علیم**۔

رہی یہ بات کہ سورہ کو اس نام سے موسوم کرنے میں کیا حکمت پوشیدہ ہے تو اسے ہم دوسرے مقام کے تحت بیان کریں گے۔

دوسرا مقام۔ سورہ کو اس نام سے موسوم کرنے کی حکمت:

انسان ابھی تک ان منافع اور فوائد ہی کو ٹھیک سے نہیں جان سکا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کے اندر رکھے ہیں تو اسکے پرحکمت کلام کے فوائد کو کیا جان پائے گا۔ یہاں ہم اس نام کے تعلق سے کچھ باتوں کا ذکر کریں گے۔ ظاہر ہے کہ قرآن کے عجائب کبھی ختم ہونے والے نہیں ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ اس سے قرآن کے ایک معجز کلام ہونے پر دلیل لائی گئی ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ سورہ کے مخاطب یا تو اہل کتاب ہیں یا عرب کے امی۔ جہاں تک اہل کتاب کا تعلق ہے انہوں نے تورات کے حروف سے واقعات کو مستنبط کرنے میں غلو سے کام لیا۔ ان کے علم کی حد حروف ابجد کا حساب

تھا چنانچہ انہوں نے حروف کے اعداد کو اپنے پیش نظر رکھا اور اعداد ہی کے لحاظ سے کچھ جملے ساخت کر لیے جو محض ظن وقیاس پر مبنی تھے، لیکن خاص عدد کے اندر بہت سے جملوں کا احتمال ہوتا ہے اس لیے اس میں کسی ایک بات کی دلیل نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ جب یہود نے سورتوں کے ان اسماء کو سنا تو انہوں نے گمان کر لیا کہ ان میں دین کے باقی رہنے کی مدت بتائی گئی ہے۔ جیسا کہ حیی بن اخطب کے بارے میں روایت ہے کہ وہ یہودیوں کی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ سے قرآن مجید کے ان حروف کے متعلق دریافت کیا۔ اسے گمان تھا کہ یہ اس امت کے اوقات کا تعین کر رہے ہیں، لیکن اعداد کے لحاظ سے سورتوں کے ان ناموں میں تفاوت تھا اس لیے وہ اس معاملہ میں شبہات میں مبتلا ہو گئے اور اس کا انہوں نے اعتراف بھی کیا۔ چوں کہ علم الاعداد کے قاعدے کی کوئی محکم بنیاد نہیں ہے اس لیے کوئی ایسی دلیل ان کے ہاتھ نہیں آئی جس پر وہ بھروسہ کرتے۔ وہ ان ناموں کا انکار بھی نہ کر سکے اور بے بس ہو کر واپس چلے گئے۔ (تفسیر طبری، ۱: ۲۱۷، ۲۱۸ اور سیرت ابن ہشام ۲: ۴۳، ۱۳۲۱)

رہے عرب کے امی تو وہ بالکل مبہوت تھے اور انہوں نے اسے سخت دشوار معاملہ جانا۔ اس لیے ان کی بے بسی تو یہود سے بھی زیادہ کھلی ہوئی تھی لیکن صرف اتنی ہی بات کو ہم قرآن کا اعجاز نہیں سمجھتے بلکہ وہ ایسا معجزہ ہے جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پیغمبر کے متعلق یہود کو پہلے ہی سے خبر دے دی تھی اور اسکی خصوصیات سے ان کو متعارف کرا دیا تھا۔ ان میں سے ایک خصوصیت یہ تھی کہ آپ لوگوں کو غیب کی خبر دیں گے جس کی اطلاع آپ کو وحی الٰہی کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے ہو نہیں سکتی تھی۔ بلاشبہ حروف کے ان معانی سے لوگ واقف نہیں تھے اس لیے سلف میں بہتوں کا یہ خیال ہے کہ حروف مقطعات اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے ہیں اور یہ اس زمانہ میں کچھ کچھ ظاہر ہو رہے ہیں۔ اور یہ بات بھی شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی طرف سے سورتوں کے نام حروف مقطعات پر نہیں رکھے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے علم سے ان کو یہ نام دے کر آپ پر نازل فرمایا ہے۔ اس لیے لازماً یہ وحی الٰہی میں سے ہیں اور ان ہی آیات میں شامل ہیں جو لوگوں کے لیے اتاری گئی ہیں۔ عربوں کو زمانہ بعثت میں اس علم کی ضرورت نہ تھی اور وہ اس سے بالکل مستغنی تھے کیوں کہ انہوں نے قرآن کے اعجاز کو اس کی مبہوت کر دینے والی بلاغت کے پہلو سے جان لیا تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس سے تعلیم حکمت کی طرف اشارہ ہوتا ہے جو کہ عظیم فوائد پر مشتمل ہے اور سب سے زیادہ ضروری بھی۔ کیوں کہ غافل اور کم عقل آدمی ہمیشہ حقائق سے چشم پوشی کرتا ہے اور اس

سے فائدہ اٹھانے میں بے پروائی سے کام لیتا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ زیادہ تر لوگ ظواہر پر لگے رہتے ہیں اور اسی سے مطمئن ہو جاتے ہیں لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو درجہ بدرجہ ظاہر سے باطن اور مشہود سے نامشہود کی طرف بڑھتے ہیں اور اسی بنا پر بہائم سے ممتاز ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے فکر ونظر اور تلاش وجستجو پر بہت زیادہ ابھارا ہے۔ اس کے شواہد اپنی جگہ پر آئیں گے۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے شروع میں اس نام کو اس لیے ثبت کر دیا کہ لوگ ابتدا ہی میں خواب غفلت سے بیدار ہو جائیں اور ظواہر پر جامد بنے نہ پڑے رہیں۔ اسی سے ان کے سامنے علم وحکمت کے دروازے اور غور وفکر کے راستے کھلیں گے۔ تعلیم حکمت کا مطلب یہ نہیں ہے حقائق کھول کر بتا دیے جائیں بلکہ اس کا مقصد ذہن کے اندر سوال کو ابھارنا اور اشکال کا احساس دلانا ہوتا ہے۔ اسی اصول پر انسان کی تربیت اور اس کے قویٰ کو بروئے کار لانے کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی تمام مطلوبہ چیزیں اکٹھی ہی نہیں دے دی ہیں بلکہ اس کے اندر حاجت اور طلب رکھی ہے جو کہ سب سے بڑی نعمت ہے اور اسی سے اس کو جانوروں پر فوقیت دی ہے جن کو بہت کم ساز وسامان کی ضرورت اور طلب ہوتی ہے۔

تیسری بات یہ کہ اس سے انسان کے تعلق سے قرآن کے محل ومقام کا پتہ چلتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ کتاب نہ تو تورات کی طرح صرف احکامات لے کر آئی ہے اور نہ انجیل کی طرح اس میں محض ملکوت الٰہی کی بشارت اور اس کے انتظار کی بات ہے اور نہ ہی وہ معاشی ترقی سے علیحدگی اختیار کرنے کا حکم دیتی ہے بلکہ خود ملکوت الٰہی کو اپنے ساتھ لے کر نازل ہوئی ہے اور تمام فطری قوتوں کو استعمال کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ نیز ان تمام چیزوں سے اشتغال رکھنے کا بھی مطالبہ کرتی ہے جو انسان کی تربیت اور اس کی شخصیت کی تکمیل میں حصہ دار ہیں جن کا تعلق اس زندگی سے ہے جو کہ ہمیشہ باقی رہنے والی اخروی زندگی کے لیے ایک سیڑھی ہے۔ چنانچہ قرآن انسان کے تمام فطری قویٰ کو مخاطب کرتا ہے۔ اس نے دلائل کو معارف اور احکام کو اعمال کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ لوگوں کی عقلوں، ان کے دلوں اور ان کے افکار واحساسات کو متوجہ کیا ہے اور جو کچھ ان میں ودیعت ہے ان سب کو استعمال کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اسی بنا پر کتاب کا افتتاح ایسے حروف سے کیا ہے جو اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ کتاب آسانی سے کھلنے والی نہیں بلکہ انتہائی کد وکاوش اور غور وفکر چاہتی ہے اور اس امر کی صراحت اس نے متعدد جگہوں پر کر بھی دی ہے۔ غرضے کہ اس کا پہلا ہی لفظ جو سورہ فاتحہ کے بعد آیا ہے وہ قوائے انسانی کے تعلق سے اس کے موقع ومحل کو بتا رہا ہے۔ یعنی اس کتاب کو آیات فطرت سے غایت درجہ مشابہت ہے۔ یہ بات بھی پوری صراحت کے ساتھ قرآن مجید میں بہت سی جگہوں پر مذکور ہے۔ (جاری ہے)

مولانا امین احسن اصلاحی

درس صحیح بخاری

(کتاب فی الاستقراض کی روایات)

۹۔ باب اِذَا قاصَّ اَوجازَفَهٗ فی الدَّینِ تَمرًا بِتمرٍ او غَیرِه

باب: اس بارے میں کہ قرض ادا کرنے میں اندازے سے یا یک مشت (Lumpsum) کھجور کے بدلے کھجور یا اس کے سوا کوئی اور چیز اسی چیز کے بدلے دینا جائز ہے۔

مجازفہ کے معنی اٹکل پچ لینا ٹھیک نہیں۔ یک مشت ایک ذخیرہ کہہ سکتے ہیں۔ ایک شکل تو یہ ہوتی ہے کہ جتنے من کھجور لی تھی اتنے ہی من تول کر واپس کی جائے۔ ایک یہ کہ تخمینہ لگا کر ایک ذخیرہ ادا کر دی جائے۔ یہ شکل مجازفہ کہلائے گی۔ کھجور کے بدلے کھجور اور اناج کے بدلے اناج سب میں ایسا ہو سکتا ہے۔

۱۱۔ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِیمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا انس عَنْ هِشَامٍ عَنْ وَهْبِ بْنِ کَیْسَانَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهٗ اَخْبَرَهٗ اَنَّ اَبَاهُ تُوُفِّیَ وَتَرَکَ عَلَیْهِ ثَلَاثِیْنَ وَسْقًا لِرَجُلٍ مِنَ الْیَهُوْدِ فَاسْتَنْظَرَهٗ جَابِرٌ فَاَبٰی اَنْ یُنْظِرَهٗ فَکَلَّمَ جَابِرٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لِیَشْفَعَ لَهٗ اِلَیْهِ، فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَکَلَّمَ الْیَهُوْدِیَّ لِیَاْخُذَ تَمْرَ نَخْلِهٖ بِالَّذِیْ لَهٗ فَاَبٰی. فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ النَّخْلَ فَمَشٰی فِیْهَا ثُمَّ قَالَ لِجَابِرٍ جُدَّ لَهٗ فَاَوْفِ لَهُ الَّذِیْ لَهٗ فَجَدَّهٗ بَعْدَ مَا رَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاَوْفَاهُ ثَلَاثِیْنَ وَسْقًا وَ فَضَلَتْ لَهٗ سَبْعَةَ عَشَرَ وَسْقًا فَجَاءَ جَابِرٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لِیُخْبِرَهٗ بِالَّذِیْ کَانَ فَوَجَدَهٗ یُصَلِّی الْعَصْرَ فَلَمَّا انْصَرَفَ اَخْبَرَهٗ بِالْفَضْلِ فَقَالَ اَخْبِرْ ذٰلِکَ ابْنَ الْخَطَّابِ فَذَهَبَ جَابِرٌ اِلٰی عُمَرَ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ لَقَدْ عَلِمْتُ حِیْنَ مَشٰی فِیْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَیُبَارَکَنَّ فِیْهَا.

ترجمہ:۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ان کے والد شہید ہوئے تو تیس وسق کھجور ایک یہودی کا قرض چھوڑ گئے۔ جابرؓ نے اس یہودی سے مہلت مانگی تو اس نے مہلت دینے سے انکار کر دیا۔ جابرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے بات کی کہ وہ یہودی سے سفارش کریں۔ رسول اللہ ﷺ آئے اور یہودی سے بات کی کہ اپنے قرض کے بدلے میں اس کے باغ کا پھل لے لے تو اس نے انکار کیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ باغ میں داخل ہوئے اور اس کا چکر لگایا اور جابرؓ سے کہا توڑو اس کا پھل اور اس کا قرض ادا کرو۔ جابرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے لوٹ آنے کے بعد کھجور توڑی اور یہودی کے تیس وسق پورے دے دیئے۔ ان کے پاس سترہ وسق کھجور بچ رہی۔ جابرؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے تاکہ جو واقعہ پیش آیا اس کی خبر دیں۔ انہوں نے آپ کو عصر کی نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو جابرؓ نے کھجور بچ رہنے کی خبر دی۔ آپ نے فرمایا کہ جا کر ابن خطاب کو اس کی خبر دو۔ جابرؓ عمرؓ کے پاس آئے اور اس کی خبر دی تو حضرت عمرؓ نے کہا جب رسول اللہ ﷺ نے باغ کا چکر لگایا تو میں اسی وقت جان گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے گا۔

وضاحت:۔ امام صاحب کو جب یہ مفصل روایت لانی تھی تو اوپر مجمل روایت کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس روایت میں سارے مطالب موجود ہیں۔ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس سے جھگڑا تھا وہ یہودی تھا۔ تو یہودی کیوں راضی ہوتا۔ آنحضرت ﷺ نے یہودی سے کہا کہ اپنے بقایا کے بدلے باغ کے کھجور سارے کے سارے یک مشت لے لے۔ امام صاحب نے اسی پر باب باندھ دیا۔

۱۰۔ بابُ مَنِ اسْتَعَاذَ مِنَ الدَّیْنِ

باب: ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے قرض سے پناہ مانگی

۱۲۔ حَدَّثَنَا اَبُوالْیَمَانِ اَخْبَرَنَا شُعَیْبٌ عَنِ الزُّهْرِیِّ ح وَحَدَّثَنَا اِسْمٰعِیْلُ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَخِیْ عَنْ سُلَیْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِیْ عَتِیْقٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ اَنَّ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَخْبَرَتْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ کَانَ یَدْعُوْ فِی الصَّلَاةِ وَیَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْمَاْثَمِ وَالْمَغْرَمِ، فَقَالَ لَهٗ قَائِلٌ مَا اَکْثَرَ مَا تَسْتَعِیْذُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مِنَ الْمَغْرَمِ قَالَ اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا غَرِمَ حَدَّثَ فَکَذَبَ وَوَعَدَ فَاَخْلَفَ.

ترجمہ:۔ عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے انہیں خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں دعا کیا کرتے تھے

کہ اے رب میں تیری پناہ مانگتا ہوں گناہوں سے اور تاوانوں کے بوجھ سے۔ تو ایک کہنے والے نے کہا کہ یارسول اللہ! آپ تاوان سے اتنی زیادہ پناہ مانگتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ آدمی جب کسی تاوان میں پڑ جاتا ہے تو بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کرتا ہے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

وضاحت:۔ تاوان یہ ہے کہ آدمی قرض دار ہو گیا محتاج ہو گیا یا مالی مشکلات میں پھنس گیا۔ ظاہر ہے کہ ہماشما کی طرح جو کاروبار کرتے ہیں تو ان کا سابقہ اس طرح کی صورت حال سے پڑتا ہے۔ جب کسی تاوان میں پڑ جاتے ہیں تو قرض خواہوں سے کہتے ہیں بس انتظام ہو جائے گا، اتنے دنوں میں کر دوں گا، لیکن وہ پورا نہیں کر پاتے اور وعدہ کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ وعدہ کی خلاف ورزی ہو اور آدمی قول کی صداقت سے محروم ہو جائے تو اس کے پاس بچا کیا؟ لہٰذا آپ نے فرمایا اس سبب سے میں تاوان سے پناہ مانگتا ہوں۔

۱۱ . بابُ الصَّلاۃِ عَلٰی مَنْ تَرَکَ دَیْنًا

باب: اس شخص کی نماز جنازہ جو قرض چھوڑ کر مرا

۱۳۔ حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِیدِ حَدَّثَنَا شُعْبَۃُ عَنْ عَدِیِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ اَبِی حَازِمٍ عَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ مَنْ تَرَکَ مَالًا فَلِوَرَثَتِہٖ، وَمَنْ تَرَکَ کَلًّا فَاِلَیْنَا.

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کوئی مال چھوڑا تو وہ اس کے ورثا کا حق ہے اور جس نے کوئی بار چھوڑا تو وہ ہمارے لیے ہے۔

وضاحت:۔ یہاں روایت میں بات بہت مختصر کر دی ہے۔ باب الدین کے تحت جو روایت آئی ہے اس میں یہ ہے کہ نبی ﷺ قرض داروں کے متعلق معلوم کرتے تھے۔ اگر انہوں نے قرض چھوڑا ہوتا لیکن اس کی ادائیگی کے لیے کچھ نہ چھوڑا ہوتا، تو جنازہ آپ نہیں پڑھاتے تھے اور صحابہ سے کہہ دیتے تھے کہ تم پڑھ لو یعنی نماز تو پڑھی جاتی لیکن حضورؐ خود نہیں پڑھاتے تھے۔ اس کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ قرض کی سنگینی کا لوگوں کو احساس دلایا جائے اور قرض کے معاملہ میں وہ بے حس نہ ہو جائیں بلکہ فکرمند رہیں کہ دنیا سے جائیں تو قرض ان کے ذمہ نہ ہو۔ بعد میں جب فتوحات کا زمانہ آ گیا تب آپ نے بیت المال کے ذمہ کر دیا کہ اگر کسی شخص نے قرض چھوڑا ہے اور اس کی ادائیگی کے لیے کچھ نہیں چھوڑا تو اس کی طرف سے بیت المال ادا کرے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ جس کے قرض کی ادائیگی کا کوئی سامان نہ ہو تو اس کا قرض بیت المال کے

ادا ہے اور یہ بات ہونی چاہیے۔ اس کا نتیجہ یہ نہیں ہو سکتا کہ لوگ قرض لے کر فضول خرچیاں کریں اور یہ توقع رکھیں کہ جب مریں گے تو بیت المال ادا کر دے گا۔ اچھے معاشرہ میں لوگوں کو یہ احساس ہوتا ہے کہ وہی صاحب مال نہ رکھتے ہوں تو خواہ مخواہ کوتاہ نا شاد نہ بنیں۔ اگر کوئی ایسا کرے تو انہیں کوئی قرض نہیں دے گا۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ اگر کوئی اس طریقہ کی جسارت کرے تو حکومت اس پر نظر رکھے اور بیت المال میں غریبوں کے لیے جو سہولت رکھی اس سے انہیں محروم نہ کرے۔ حکومت بیدار رہے کہ لوگ اس اجازت سے بے جا فائدہ نہ اٹھائیں۔

۱۴۔ حدثنا عَبْدُاللّٰہِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا اَبُوعَامِرٍ حَدَّثَنَا فُلَیحٌ عَنْ ھِلَالِ بْنِ عَلِیٍّ عَنْ عبدالرحمن بْنِ اَبِی عَمْرَۃَ عَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ مَا مِنْ مُؤمِنٍ اِلَّا و انا اولٰی بِہٖ فِی الدُّنْیَا وَالآخِرَۃِ، اقْرَءُوا اِنْ شِئْتُمْ: اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤمِنِینَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ. فَاَیُّمَا مُؤمِنٍ مَاتَ وَتَرَکَ مَالًا فَلْیَرِثْہُ عَصَبَتُہٗ مَنْ کَانُوا وَمَنْ تَرَکَ دَیْنًا اَوْ ضَیَاعًا فَلْیَاْتِنِی فَاَنَا مَوْلَاہُ.

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ کوئی مومن ایسا نہیں جس سے مجھ کو سب سے قریب کا رشتہ نہ ہو، دنیا اور آخرت دونوں میں۔ تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو کہ پیغمبر مومنوں سے خود ان سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔ پھر جو کوئی مومن مر جائے اور مال چھوڑ جائے تو اس کے اہل خاندان کو ملے گا جو اس کے وارث ہوں اور جو کوئی قرضہ، بال بچے چھوڑ جائے تو وہ میرے پاس آئے، میں اس کا بندوبست کرنے والا ہوں گا۔

وضاحت:۔ مطلب یہ ہے کہ جو باتیں فطری ہیں، جو باتیں شریعت میں ملے ہیں، جو حقوق ملے ہیں، جو وراثتیں ملے ہیں وہ سب اپنی جگہ مسلم ہیں لیکن حق کے لحاظ سے دنیا اور آخرت میں سب سے بڑا حق نبی ﷺ کا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو حکم آپ دیں اس میں ہماری فلاح ہے اور جس بات سے روکیں تو روکنے ہی میں ہماری نجات ہے۔ بات سمجھانے کی خاطر آپؐ نے سورہ احزاب کی آیت کی طرف توجہ دلائی۔ پھر فرمایا کہ جو مومن مرے اس کے مال کے وارث اس کے ورثا ہوں گے اور جو قرض چھوڑے یا بال بچوں کے لیے کچھ نہ چھوڑے تو میں ان کا سرپرست ہوں۔

۱۲. بابُ مَطلُ الغَنِيِّ ظُلْمٌ"

باب: مال دار کا اپنے قرض خواہ سے ٹال مٹول کرنا ظلم ہے

۱۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ" حَدَّثَنَا عَبْدُالاَعْلٰی عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ اَخِی وَهْبِ بْنِ مُنَبِّهٍ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ".

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مالدار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔

وضاحت:۔ مطلب یہ ہے کہ جس کسی نے کسی سے قرض لیا ہے اور پھر مالدار ہوتے ہوئے ادا کرنے میں ٹال مٹول کر رہا ہے تو یہ چیز ظلم ہے۔ ظلم کا مفہوم دوسرے لفظوں میں جرم ہے۔ جب یہ ظلم ہے، حق تلفی ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ قابل دراندازی عدالت ہے۔ مظلوم قاضی کے ہاں مرافعہ کر سکتا ہے۔ قاضی یہ تحقیق کرے گا کہ قرضدار واقعی ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے یا دیوالیہ ہو چکا ہے۔ قاضی اپنی تحقیق کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ اگر کوئی شخص قرض کی ادائگی پر قادر ہونے کے باوجود ٹال مٹول کرتا ہے تو یہ معمولی نہیں بلکہ سنگین معاملہ ہوتا ہے۔ اس پہلو سے امام صاحب یہ روایت لائے ہیں۔

۱۳. باب لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالٌ" وَيُذْكَرُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ لَیُّ الْوَاجِدِ يُحِلُّ عُقُوبَتَهُ وَعِرْضَهُ قَالَ سُفْيَانُ عِرْضُهُ يَقُولُ مَطَلْتَنِی وَعُقُوبَتُهُ الْحَبْسُ.

باب: جس کا کچھ نکلتا ہو اس کو کچھ کہنے کا بھی حق ہے اور نبی کریم ﷺ سے یہ بات بھی مذکور ہے کہ جو شخص یافت رکھتے ہوئے ٹال مٹول کرتا ہے تو اسکی آبرو بھی حلال ہو جاتی ہے اور سزا بھی روا ہوتی ہے۔

سفیان کہتے ہیں کہ آبرو حلال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کہہ سکتا ہے کہ تم نے میرے ساتھ ٹال مٹول کیا اور سزا سے مراد قید کرنا ہے۔

وضاحت:۔ مطلب یہ ہے کہ جس کا کچھ حق نکلتا ہو، اگر وہ حق کو روکنے والے سے گفتگو میں تلخ ہو جائے تو اس کے لیے اس کا حق تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اس پر امام صاحب نے ایک نوٹ دیا ہے جس کی حیثیت ایک تعلیق کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ سے یہ بات مذکور ہے کہ جو شخص یافت رکھتے ہوئے ٹال مٹول کرے تو اس کی عقوبت بھی جائز ہے اور اس کی آبرو کو داغدار کرنا بھی۔ یعنی اس کی تعزیر بھی ہو سکتی ہے اور اس کے خلاف مرافعہ

بھی ہو سکتا ہے، عرضہ سے میرے نزدیک یہی مطلب نکلتا ہے۔ لی کے معنی ٹال مٹول کے ہیں اور واجد سے مراد غنی، جس کے پاس مال ہے۔ اس کے بعد سفیان کی شرح وہ عرضہ کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ وہ اس کو کہہ سکتا ہے کہ مطلتنی یعنی تم نے میرے ساتھ ٹال مٹول کیا۔ میرے نزدیک یہ تشریح کرنے کا ان کو کوئی حق نہیں ہے۔ البتہ عقوبتہ سے مراد قید کر لینا ٹھیک ہے۔

۱۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ" حَدَّثَنَا يَحْيٰی عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِی سَلَمَةَ عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَتَی النَّبِیَّ ﷺ رَجُلٌ" يَتَقَاضَاهُ فَاَغْلَظَ لَهُ فَهَمَّ بِهِ اَصْحَابُهُ فَقَالَ دَعُوهُ فَاِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا.

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک شخص اپنے حق کا مطالبہ لے کر آیا۔ اس نے تقاضا کرنے میں آپ کے ساتھ کچھ درشت انداز اختیار کیا تو صحابہؓ نے چاہا کہ اس کی گوشمالی کریں۔ آپ نے فرمایا جانے دو جس کا کچھ حق نکلتا ہے اس کو کچھ کہنے کا حق بھی ہے۔

وضاحت:۔ یہ روایت اوپر گزر چکی ہے۔ یہ پیغمبر ﷺ ہی کی شان ہے کہ وہ یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ جس کا کچھ حق نکلتا ہے وہ کچھ کہنے کا حقدار بھی ہے۔ ہما شما یہاں تک کیسے پہنچ سکتے ہیں۔

۱۶. باب اِذَا وَجَدَ مَالَهُ عِنْدَ مُفْلِسٍ فِی الْبَيْعِ وَالْقَرْضِ وَالْوَدِيعَةِ فَهُوَ اَحَقُّ بِهِ، وَقَالَ الْحَسَنُ اِذَا اَفْلَسَ وَتَبَيَّنَ لَمْ يَجُزْ عِتْقُهُ وَلَا بَيْعُهُ وَلَا شِرَاؤُهُ، وَقَالَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ قَضٰی عُثْمَانُ مَنِ اقْتَضٰی مِنْ حَقِّهِ قَبْلَ اَنْ يُفْلِسَ فَهُوَ لَهُ، وَمَنْ عَرَفَ مَتَاعَهُ بِعَيْنِهِ، فَهُوَ اَحَقُّ بِهِ.

باب: اس بات کا کہ اگر کوئی شخص اپنا مال کسی مفلس یعنی دیوالیے کے پاس پاتا ہے تو خواہ وہ بیع کی نوعیت کا ہو یا قرض کی نوعیت کا یا امانت کا تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔

حسن کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دیوالیہ قرار دے دیا گیا اور اس کا دیوالیہ ہونا واضح ہو گیا تو اسکے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنے غلام کو آزاد کرے یا بیع کرے یا کوئی چیز خریدے۔ سعید ابن المسیب کہتے ہیں کہ حضرت عثمان کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے شخص کے پاس کہ جس کو دیوالیہ قرار دے دیا گیا ہو، اپنی کوئی امانت یا متاع جس کو وہ پہچانتا ہے پاتا ہے تو وہ اس کو لینے کا زیادہ حق دار ہے۔

وضاحت:۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تاجر یا کاروباری ہے اور کسی چکر میں پھنس گیا ہے اور اس کی یافت اور ادائیگیوں میں بڑا فرق پیدا ہو گیا ہے تو اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ بہت سارے لوگوں کے حقوق تلف ہو جائیں تو اس کو کچھ سہارا دینا پڑتا ہے۔ اور جو لوگ اس کے ساتھ معاملہ کر رہے تھے ان کو بھی سنبھالا دینا پڑتا ہے۔ معاشرہ میں گرتے ہوئے کو سنبھالنا حکومت کی ایک ذمہ داری ہے۔ اس طرح کے اشخاص یا اداروں کے متعلق دیوالیہ قرار دینے کا ایک قانون ہے۔ دیوالیہ قرار دے کر آزادانہ تصرفات کو روک دیا جاتا ہے اور اس پر قدغن عاید کر دی جاتی ہے تاکہ دوسروں کے حقوق کو جس حد تک بھی ممکن ہو تحفظ دیا جائے۔ بعض اوقات عدالت خود ایک شخص کو دیوالیہ قرار دے دیتی ہے اور بعض دفعہ اس کے لیے کوئی شخص از خود درخواست کرتا ہے تاکہ جس حد تک قانون مدد دے سکتا ہے وہ اس کو ملے۔ وہ اپنی مجبوریوں کا اظہار کر دیتا ہے کہ میں اب ادائیگیوں کا اہل نہیں ہوں۔ اس زمانے میں بڑی بڑی چالاکیاں بھی اس ضمن میں ہوتی ہیں اور جو قرضے لیے جاتے ہیں ان کو ہڑپ کرنے کا ایک طریقہ چل نکلا ہے۔ بہر حال یہ معاملہ قابل دراندازی عدالت ہے۔ اگر کوئی شخص دیوالیہ قرار دے دیا گیا ہے، قطع نظر اس سے کہ اس نے از خود درخواست دی ہے یا عدالت نے اس کو قرار دیا ہے تو اس کے پاس جو کچھ ہے اور جن لوگوں نے اس سے لینا ہے، ان تمام معاملات میں عدالت کو دخل دینا پڑتا ہے۔ میں اس قانون کا ماہر نہیں ہوں لیکن دیوالیہ قرار دینے سے مقصود کسی کو ذلیل کرنا نہیں ہے بلکہ ہر ایک کی کچھ نہ کچھ مدد کرنا ہے، جس کے ذمہ کچھ ہے اس کی بھی اور جن کا کچھ نکلتا ہے ان کی بھی۔

امام بخاری کے نزدیک اگر کوئی شخص اپنا مال، خواہ اس کی نوعیت بیع کی ہو یا قرض کی یا ودیعت کی، کسی دیوالیہ کے پاس پاتا ہے تو وہ اس کو دے دیا جائے گا۔ دوسرے فقہا ودیعت کے معاملہ میں تو مانتے ہیں کہ اس کو دے دی جائے گی لیکن بیع اور قرض کے معاملہ میں نہیں مانتے۔ مجھے امام صاحب کی یہ بات معقول معلوم ہوتی ہے۔ ان چیزوں کے متعلق معقول رویہ یہ ہے کہ جو کچھ دیوالیے کے پاس مال ہے اس کو اس طرح تقسیم کیا جائے کہ سب کی اشک شوئی ہو جائے۔ **عند مفلس** کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ شخص جس کو عدالت نے دیوالیہ قرار دیا ہو ہم کو اور آپ کو اس کا فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہے۔ حسن کہتے ہیں کہ اگر کوئی دیوالیہ ہو جائے اور اسکا دیوالیہ ہونا طے ہے یعنی عدالت نے بھی کہہ دیا ہے تو اس کا غلام کو آزاد کرنا، اور کسی چیز کا بیچنا اور خریدنا جائز نہیں ہے۔ فقہا کا یہ نظریہ مبنی ہے اس بات پر کہ غلام بھی مال ہے۔ میرے نزدیک یہ

زیادتی ہے کہ غلام اور لونڈی کو مال مطلق سمجھ کر معاملہ کیا جائے۔ لہٰذا دیوالیہ شخص غلام کو آزاد کر سکتا ہے۔ باقی رہا بیع اور شرا تو اس کو روک سکتے ہیں اس لیے کہ اگر اس کی اجازت دیں گے تو اپنا سب مال ٹھکانے لگا کر وہ سب کو محروم کر سکتا ہے یا یہ کہ کوئی چیز جو کسی کام کی نہ ہو خرید کر اپنے کو محفوظ کر سکتا ہے۔ سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کا فیصلہ یہ ہے کہ جس شخص نے اپنا حق لے لیا قبل اس کے کہ وہ مفلس قرار پائے وہ اسی کا ہوگا۔ یہ بات ٹھیک ہے۔ اس لیے کہ دیوالیہ قرار پانے سے پہلے جو لے لیا گیا اس کو آپ بعد میں حساب میں شامل نہیں کر سکتے۔ آخر میں ہے کہ **ومن عرف متاعه بعينه فهو احق به** 'زیادہ حقدار ہے' کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے کسی مال کو بعینہٖ پہچان لیا ہے تو اس کے حق کو مقدم رکھیں گے لیکن وہ قبضہ نہیں کر سکتا اس لیے کہ دیوالیہ قرار دے دینے کے بعد قبضہ کرنے کا حق نہیں رہتا۔ پھر تو سب کا مال مشترک ہوتا ہے۔ البتہ فیصلہ کرنے میں مال کی بعینہٖ موجودگی کو عدالت مدنظر رکھے گی اور کوشش کرے گی کہ وہ چیز اس کے اصل مالک کو دے دی جائے۔ دیوالیہ پن کے مسائل میں فقہا کا اتنا اختلاف ہے کہ پڑھ کر میرا سر چکرا گیا۔ میں نے لونڈی اور غلام کو تو بچا لیا کہ یہ میرے ذوق کی چیز تھی باقی ودیعت کا معاملہ تھا تو اس میں میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ وہ تو امانت ہے۔ یہ تمام باتیں حدیث نہیں بلکہ باب کے تحت نوٹس ہیں۔ حدیث آگے آ رہی ہے۔

۱۷۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ اَخْبَرَنِي اَبُوْبَكْرِ ابْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِالْعَزِيْزِ اَخْبَرَهُ اَنَّ اَبَابَكْرِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَاهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَوْ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ اَدْرَكَ مَالَهُ بِعَيْنِهِ عِنْدَ رَجُلٍ اَوْ اِنْسَانٍ قَدْ اَفْلَسَ فَهُوَ اَحَقُّ بِهِ مِنْ غَيْرِهِ.

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ جس نے اپنا مال بعینہٖ کسی شخص کے پاس پایا جو دیوالیہ ہو گیا ہے تو وہ دوسروں کی نسبت اس کا زیادہ حقدار ہے۔

وضاحت:۔ میرے نزدیک اس کا مطلب یہی ہے کہ تحقیق کرنے والی عدالت یہ ملحوظ رکھے گی کہ مال اس کا ہے اور حتی الوسع اگر گنجائش نکلتی ہے تو اس کو حق دار قرار دے گی۔

(ترتیب: سید اسحاق علی)

مولانا امین احسن اصلاحی

درس موطا امام مالکؒ

(کتاب الجہاد)

لفظ جہاد کے معنی تو اصل میں کوشش کے ہیں۔ عربی میں یہ لفظ جہاد بالقلم، جہاد بالسیف، جہاد باللسان سب کے لیے مستعمل ہے۔ اردو میں صرف جہاد بالسیف کے لیے آتا ہے۔ اصطلاحی معنوں میں جو جدوجہد بھی دین کے راستہ میں کی جائے وہ جہاد کہلائے گی۔

جہاد بالسیف میں چند باتیں بنیادی طور پر جان لینے کی ہیں۔ جہاں تک فقہ کا تعلق ہے، جہاد بالسیف تو ہر شخص کا فرض ہے البتہ یہ بات کہ جارحانہ جنگ اسلام میں ہے کہ نہیں تو جارحانہ جنگ کا لفظ ذرا معیوب سا ہے، لیکن جہاد تو اسلام میں ہے اور ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

فتح مکہ سے قبل قریش سے جتنی جنگیں ہوئیں، اس میں شبہ نہیں کہ وہ سب دفاعی نوعیت کی ہیں۔ فتح مکہ کی جنگ دفاعی نہیں تھی، وہ اس عزم کے ساتھ ہوئی کہ اب ان پر حجت تمام ہو چکی تھی۔ کفار قریش کے دو ہی راستے رہ گئے تھے، اسلام یا تلوار۔ اس لیے اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ دفاعی جنگ کے سوا جہاد اور کوئی نہیں تو یہ اس کا غلط خیال ہے۔ یہ بات یاد رکھیے کہ قریش کا معاملہ ذرا خاص ہے، اس لیے کہ سنت الٰہی کے مطابق جس قوم کی طرف براہ راست رسول کی بعثت ہوتی ہے تو کامل اتمام حجت کے بعد دو ہی راستے باقی رہ جاتے ہیں، یا تو عذاب الٰہی سے ہلاک ہو جائیں یا پھر اہل ایمان کی تلوار سے ان کا خاتمہ ہو۔ بشرطیکہ اہل ایمان جہاد کرنے کی پوزیشن میں ہوں۔ عاد و ثمود وغیرہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ہلاک ہوئے اس لیے کہ ان کے زمانے میں جو رسول آئے ان کو اتنے اہل ایمان نہ مل سکے کہ وہ جہاد کرنے کی پوزیشن میں ہوتے، لیکن آنحضرت ﷺ کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے قوت عطا فرما دی تھی اس لیے آپ نے مشرکین عرب کے ساتھ جہاد کیا۔ فتح مکہ کے موقع پر بھی، اس اعلان کے ساتھ جہاد کیا۔ اب ان کے لیے صرف اسلام ہے یا تلوار۔ اس لیے کہ ان پر حجت تمام ہو چکی تھی۔

اس کے بعد صحابہؓ نے جو جنگیں لڑیں ان جنگوں کی نوعیت یہ ہے کہ اَسْلِمْ تَسْلَمْ، اسلام لاؤ تم محفوظ رہو گے۔ ورنہ جزیہ دو اور ہماری اطاعت کرو۔ ایک صالح نظام جو عدل و قسط کی بنیاد پر قائم ہے اس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی غیر صالح نظام کے اقتدار کو باقی نہ رہنے دے تاکہ اللہ کے بندے اللہ کی بندگی

بغیر کسی رکاوٹ کے بجالائیں۔ اللہ کی بندگی کا حق ہر شخص کو حاصل ہونا چاہیے جو نظام اس راستہ میں رکاوٹ ہو اس کو قائم رہنے کا کوئی حق نہیں۔ جب نظام عدل و قسط قائم ہو گیا تو اس کا قیام ہی دنیا کے لیے تبلیغ و دعوت ہے اس لیے کہ مقصود تو یہی ہے۔ تبلیغ و دعوت کی حقیقت یہ ہے کہ ایک نظام قائم ہو جائے اس کی جدوجہد سامنے آ جائے۔ عدل و قسط قائم ہو جائے اور تمام خلق کے لیے اس کی بھلائی واضح ہو جائے تو زیادہ مفصل تبلیغ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اب یہ ہے کہ اسلام لاؤ اور اس خیر میں شریک ہو جاؤ اور اگر اپنے دین پر قائم رہنا چاہتے ہو تو رہو، بہرحال سیاسی اقتدار تمہارے پاس نہیں رہنے دیا جائے گا۔ چنانچہ مجوس کے ساتھ، اہل کتاب کے ساتھ اور دوسرے تمام کفار کے ساتھ یہی معاملہ کیا گیا، اپنے دین پر قائم رہنا چاہتے ہیں تو رہیں، لیکن سیاسی اقتدار ان کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیا گیا۔

اللہ کی بندگی کے لیے ایک صحیح نظام یعنی نظام عدل و قسط قائم ہونے کے بعد کسی اور نظام کی گنجائش نہیں رہتی بلکہ باطل نظام کو باقی رہنے دینا حقیقت میں ظلم کی پرورش کرنا ہے۔ صحابہؓ کے جہاد کی نوعیت یہی تھی۔ بعد کی جو ملوکانہ جنگیں ہوئیں اسلام پر ان کی ذمہ داری نہیں ہے۔ ملوک کی جنگوں سے ہمیں بحث نہیں ہے ہم ان کے وکیل نہیں ہیں۔

قرآن مجید نے جہاد کا ذکر حج کے ساتھ کیا ہے اور حدیث کی کتابوں میں موطا امام مالک ہی ایک ایسی کتاب ہے جس نے جہاد کا ذکر حج کے ساتھ کیا ہے۔ جب آنحضرت ﷺ عمرہ کے لیے تشریف لے گئے تو اسی وقت امکان ظاہر کر دیا گیا تھا کہ ہو سکتا ہے تصادم ہو جائے تو اس کا پہلے ہی سے بندوبست کر دیا گیا تھا اور صلح حدیبیہ کے بعد گویا کفار قریش نے یہ تسلیم کر لیا کہ مسلمانوں کا بھی بیت اللہ پر حق ہے اور وہ ایک مستقل طاقت ہیں۔ یہ بات بھی انہوں نے مان لی کہ اگلے سال آپ آئیں گے تو ہم شہر چھوڑ کر باہر چلے جائیں گے اور آپ اپنے مناسک پورے کریں یعنی انہوں نے تسلیم کر لیا کہ جائز حقدار اس گھر کے یہی لوگ ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس گھر کی تعمیر کا جو مقصد سیدنا ابراہیم کا تھا وہ قرآن نے مفصل بیان کر کے یہ ثابت کر دیا کہ اس کے اصل حق دار یہی لوگ ہیں۔ یہاں سے جہاد کا راستہ کھلا۔

باب : الترغیب فی الجهاد

باب: جہاد کی ترغیب کے بارے میں

۱۔ حدثنی یحیی عن مالک عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال: مثل المجاهد فی سبیل الله کمثل الصائم القائم الدائم الذی لا یفتر من

صلاۃ ولا صیام حتی یرجع.

ترجمہ:۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال اس شخص کی ہے جو برابر روزے رکھنے والا اور برابر قیام کرنے والا اپنی رات کو نماز میں اور جو کسی وقت بھی دم نہیں لیتا نہ نماز میں نہ روزے میں یہاں تک کہ وہ لوٹے (جہاد سے)

وضاحت:۔ جب ایک شخص جہاد میں محاذ جنگ پر ہوتا ہے تو اس کا مدمحہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف ہو رہا ہوتا ہے۔ یہ مبالغہ نہیں بلکہ بیان حقیقت ہے۔ اس کا تو سارا وقت صرف ہو رہا ہوتا ہے جب کہ قائم اللیل خواہ کتنی ہی محنت کرے اس سے زیادہ تو نہیں کرسکتا۔ جب تک کہ وہ محاذ جنگ سے نہ لوٹے یہ اس کی مثال رہے گی۔

یہ ایک تمثیل بیان ہوئی ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ محاذ جنگ پر روزہ نماز کی ضرورت نہیں۔ یہ لازم ہے کہ روزہ نماز کے بغیر کوئی خدمت قبول نہیں ہوتی اس لیے کہ تمام اعمال میں روح ان ہی سے ہے لیکن بہر حال اقامت دین کے راستہ میں سب سے بڑا کام جہاد فی سبیل اللہ ہی ہے۔

۲۔ حدثنی یحیی عن مالک عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ھریرۃؓ ان رسول اللہ ﷺ قال: تکفل اللہ لمن جاھد فی سبیلہ لا یخرجہ من بیتہ الا الجھاد فی سبیلہ، و تصدیق کلماتہ ان یدخلہ الجنۃ، او یردہ الی المسکنہ الذی خرج منہ مع ما قال من اجر او غنیمۃ.

ترجمہ:۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ نے ضمانت دی ہے اس شخص کے لیے کہ جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے۔ وہ اپنے گھر سے نہیں نکلا ہے مگر خالصتاً جہاد فی سبیل اللہ کے لیے۔ اور اس کے کلمات کے حکموں کی تعمیل کے لیے، کہ وہ اس کو جنت میں داخل کرے گا یا اس کو وہ لوٹائے گا اس کے اس گھر کی طرف جس سے وہ نکلا تھا اجر یا غنیمت دے کر۔

وضاحت:۔ اصل چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کی نیت ہو۔ اگر وہ خالصتاً اللہ کی راہ میں نکلا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ضمانت دی ہے کہ اگر وہ شہید ہوگیا تو اس کو جنت میں داخل کرے گا یا پھر اس کو اس کے گھر کی طرف اجر اور غنیمت دے کر لوٹائے گا۔ اجر او غنیمۃ، اس میں او کے اوپر بڑی بحث ہوئی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ او صرف تقسیم ہی کے لیے نہیں آتا بلکہ جمع کے لیے بھی آتا ہے۔ بہر حال دو شکلوں میں سے ایک بات ضرور ہوگی۔ اگر شہید ہوا تو جنت لازمی ہے بشرطیکہ خالص اللہ کی راہ میں اس کے کلمات کی

تصدیق کے لیے نکلا ہو۔ یا پھر مال غنیمت اور جو چیزیں ملنے والی ہوں ان سب کے ساتھ گھر لوٹے گا۔

۳۔ وحدثنی یحیی عن مالک عن زید بن اسلم عن ابی صالح السمان عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال: الخیل لرجل اجر؛ ولرجل ستر، و علی رجل وزر فاما الذی ھی لہ اجر فرجل ربطھا فی سبیل اللہ فاطال لھا فی مرج او روضۃ فما اصابت فی طیلھا ذالک من المرج، او الروضۃ کان لہ حسنات ولو انھا قطعت طیلھا ذالک فاستنت شرفا او شرفین کانت آثارھا و ارواثھا حسنات لہ ولو انھا مرت بنھر فشربت منہ ولم یرد ان یسقی بہ کان ذالک لہ حسنات فھی لہ اجر. و رجل ربطھا تغنیاً و تعففاً ولم ینسی حق اللہ فی رقابھا، ولا فی ظھورھا فھی لذالک ستر و رجل ربطھا فخر او ریاء، و نواء لاھل الاسلام فھی علی ذالک وزر، وسئل رسول اللہ ﷺ عن الحمر فقال: لم ینزل علی فیھا شئی الا ھذہ الآیۃ الجماعۃ الفاذۃ: فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ و من یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ.

ترجمہ:۔ ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ گھوڑا ایک شخص کے لیے اجر ہے، ایک شخص کے لیے محافظ ہے اور ایک شخص کے اوپر بوجھ ہے۔ تو جس شخص کے لیے اجر ہے وہ وہ شخص ہے کہ جس نے اس کو اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے پالا ہے پھر اس کی رسی دراز کی کسی چراگاہ یا چمن میں تو اس درازی کے اندر اندر چراگاہ یا چمن کے اندر میں اس نے چرا تو یہ سب اس کے لیے حسنات ہیں۔ اور اگر اس نے اپنی رسی تڑالی اور ایک یا دو چکر لگائے تو اس کے جتنے آثار اور ارواث ہوں سب اس کے لیے حسنات میں شمار ہوں گی۔ اور اگر وہ کسی نہر پر جا گزرے اور اس میں سے پیے بھی حالانکہ مالک نے اس کو پلانے کا کوئی ارادہ نہ کیا ہو تو یہ سب اس کے لیے حسنات اس کے اجر میں شمار ہوں گی۔ رہا وہ شخص کہ جس نے اس کو پالا بے نیاز رہنے کے لیے اور پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے لیے اور اس میں وہ اس کی گردن اور پیٹھ میں اللہ کا حق نہیں بھولا تو وہ اس کے لیے ستر ہوگا۔ اور وہ شخص کہ جس نے اس کو پالا محض فخر کے لیے اور نمائش کے لیے اور اہل اسلام کی دشمنی کے لیے تو وہ اس کے لیے لعنت بنے گا۔ اور نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ حضور گدھوں کے متعلق کیا حکم ہے تو آپ نے فرمایا ان کے بارے میں مجھ پر کوئی چیز نازل نہیں ہوئی بجز اس عظیم یکتائے روزگار آیت کے کہ جو ذرہ برابر بھی نیکی کے کام کرے گا اس کا اجر پائے گا، اور جو ذرہ برابر بھی بدی کے کام کرے گا اس کی سزا بھگتے گا۔

وضاحت:۔ اس روایت میں یہ بتایا ہے کہ تین طرح کے لوگ ہوتے ہیں اور ان کے لیے گھوڑا تین

درجہ رکھتا ہے۔ اس زمانہ میں گھوڑا جنگ کا بڑا ہتھیار تھا اب اس کی وہ اہمیت نہ رہی اب اس کی جگہ جیپ گاڑی ٹینک اور دوسری اس طرح کی چیزوں نے لے لی ہے۔

تین طرح کے لوگوں میں ایک وہ شخص ہے جس کے لیے گھوڑا اجر بنتا ہے۔ یہ وہ شخص ہے جس نے گھوڑا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے لیے پالا تو گھوڑا باغ یا چمن کے اندر میں جتنا بھی چرتا ہے وہ سب اس شخص کی نیکیوں میں گنا جائے گا۔ اگر گھوڑے نے رسی تڑالی تو اس کے جتنے آثار اور اروداث ہیں سب اس شخص کی حسنات شمار ہوں گی اور اگر وہ کسی نہر پر جا گزرے اور اس میں سے پیئے بھی حالانکہ مالک کا کوئی ارادہ اس کو پلانے کا نہ تھا، تب بھی اس کی نیکی میں شامل ہوگا۔

رہا وہ شخص کہ جس نے گھوڑا پالا بے نیاز رہنے کے لیے، پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے لیے اور اس نے اس کی گردن اور پیٹھ میں اللہ کا حق بھی رکھا تو وہ اس کے لیے ستر ہوگا۔ گردن اور پیٹھ میں اللہ کا حق سے مطلب یہ ہے کہ جب کسی کو مدد کی ضرورت ہوئی تو مدد کے لیے پیش کر دیا۔ ستر ہوگا کا کیا مطلب ہے؟ ستر کے معنی تو پردے کے ہیں لیکن میرے نزدیک کلام عرب کی روشنی میں یہاں اس کے معنی محافظ کے ہیں۔ روایت میں ستر کے معنی محافظ کے ہیں۔ جس کے پاس گھوڑا ہے اس کے دروازے پر ٹینک کھڑا ہے اس کو کسی کی پرواہ نہیں۔ اس نے فوراً نیزہ اٹھایا گھوڑے پر سوار ہوا اور دشمن پر جا پڑا۔ جس طرف سے خطرہ محسوس کیا گھوڑے پر سوار ہو کر پہنچ گیا۔

رہا وہ شخص کہ جس نے اس کو پالا محض فخر کے لیے نمائش کے لیے، اہل اسلام کی دشمنی کے لیے تو وہ اس شخص کے لیے لعنت بنے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس کے پاس اس طرح کی چیز ہو، اس کے جو حقوق ہوں وہ ادا کرنا ضروری ہے تب جا کر یہ چیزیں خیر و برکت کا باعث بنتی ہیں۔

آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ گدھوں کے بارے میں کیا حکم ہے۔ معلوم ہوتا ہے کسی صاحب کے پاس گدھا ہی تھا، انہوں نے سوچا کہیں میں محروم نہ رہ جاؤں، پوچھ بیٹھے۔ تو آپؐ نے فرمایا ان کے بارے میں مجھ پر کوئی چیز نازل نہیں ہوئی، بجز اس عظیم آیت کے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو ذرہ برابر نیکی کرے گا اس کا پھل پائے گا اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا اس کی سزا بھگتے گا۔

یہ اس دور کی باتیں ہو رہی ہیں جب کہ پوری قوم فوج ہوتی تھی، افراد سب جنگ میں شریک ہوتے تھے۔ اب Standing Army کا دور ہے اور اس کے بغیر اب جنگ ممکن نہیں ہے۔ اب جنگ ایک پیچیدہ فن بن گیا ہے جب تک مستقل فوج نہ ہو کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس زمانے میں ہر شخص قوم کا

پاہی ہوتا تھا اور جنگ بھی بہت سادہ تھی مگر اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی قوم کو بحیثیت مجموعی اپنی فوج کی ترقی کے لیے کیا کچھ کرنا چاہیے۔

۴۔ وحدثنی عن عبداللہ بن عبدالرحمن بن معمر الانصاری عن عطاء بن یسار انہ قال قال رسول اللہ ﷺ الا اخبرکم بخیر الناس منزلا رجل آخذ بعنان فرسہ یجاھد فی سبیل اللہ، الا اخبرکم بخیر الناس منزلا بعدہ رجل معتزل فی غنیمتہ یقیم الصلاۃ و یؤتی الزکاۃ، و یعبد اللہ لا یشرک بہ شیاء.

ترجمہ:۔ عطاء بن یسار سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں بتا دوں کہ درجہ اور منزلت کے لحاظ سے سب سے زیادہ بہتر آدمی کون ہے، وہ آدمی ہے جو اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرے، پھر میں تمہیں بتا دوں کہ اس کے بعد سب سے اعلیٰ منزلت والا آدمی کون ہے، وہ آدمی ہے جو اپنی بکریوں کے چھوٹے سے گلے میں نماز پڑھتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے اور اللہ بندگی کرتا ہے، کسی کو اس کا شریک نہیں کرتا۔

وضاحت:۔ غنیمۃ کہتے ہیں بکریوں کے چھوٹے سے گلے کو۔ بہرحال کم نہیں ہے، چھوٹا سا گلہ ہے۔ فریب، دجل، مکاری، جھوٹ اور اس قسم کے خرافات سے اپنے آپ کو دور رکھے۔ تو واقعہ ہے کہ یہ بڑی اچھی زندگی ہے۔

۵۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عن یحیی بن سعید قال: اخبرنی عبادۃ بن الولید بن عبادۃ بن صامت عن ابیہ عن جدہ. قال بایعنا رسول اللہ ﷺ علی السمع و الطاعۃ فی الیسر والعسر والمنشط والمکرہ، و ان لا تنازع الامر اھلہ، و ان نقول او نقوم بالحق حیث ما کنا لا نخاف فی اللہ لومۃ لائم.

ترجمہ:۔ عبادۃ بن صامت کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہؐ سے اس بات پر بیعت کی کہ آپ کی بات ہم سنیں گے اور ہر حکم کی اطاعت کریں گے خواہ کشادگی کی حالت ہو یا تنگی کی اور خواہ خوشی کی حالت ہو یا ناگواری کی اور یہ کہ صاحب امر سے ہم کشمکش نہیں کریں گے اور یہ کہ ہم کہیں گے یا حق پر قائم رہیں گے جہاں کہیں بھی ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے۔

وضاحت:۔ صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سمع و طاعت کی بیعت کی اور یہ کہ ہر حال میں اطاعت کریں

گے یہ نہیں کہ حالات اچھے ہوں تو مانیں گے ورنہ نہیں بلکہ کشادگی اور تنگی ہر حال میں مانیں گے اور یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ جو کچھ حق ہے وہ کہیں گے، اس کی پرواہ نہیں کریں گے کہ لوگ کیا کہیں گے، حکومت کیا کہے گی، مخالف کیا کہیں گے اور موافق کیا کہیں گے، جو حق ہے وہی کہیں گے۔

لا تنازع الامر اهله کا مطلب یہ ہوگا کہ جو صاحب امر، صاحب حکومت اور صاحب اختیار قوم میں ہوگا، ہماری حکومت پر اس سے ہم کشمکش نہیں کریں گے۔ ظاہر ہے کہ **لومة لائم** کی پرواہ کیے بغیر حق تو کہیں گے۔ کشمکش سے مراد یہاں وہ کشمکش ہے کہ انقلاب برپا کرو، الٹ دو وغیرہ۔ آپ کا فرض یہی ہے کہ آپ اس وقت تک جب تک زندہ ہیں اور آپ کے منہ میں زبان ہے آپ ہر قیمت پر حق بات کرتے رہیں۔ انکار منکر کریں کہ یہ ناانصافی ہے، یہ ظلم ہے، یہ شریعت کے خلاف ہے۔ منازعت امر صرف اس شخص کے لیے جائز ہے کہ جو اتنی طاقت فراہم کر لے کہ وہ اپنے آپ کو اس پوزیشن میں محسوس کرے کہ اب میں ان کو ہٹا کر اس کی جگہ دوسرا عادلانہ نظام قائم کر سکتا ہوں۔ اس کے بغیر ہڑبونگ مچانا یہ اسلام میں مطلوب نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ محض خون خرابے کے کچھ اور نہیں نکلے گا نیز یہ ہے کہ حکومت کا وجود بہر حال انارکی (Anarchy) کے مقابل میں قیمتی چیز ہے۔ انارکی کسی صورت میں مطلوب نہیں، خواہ بری سے بری حکومت کیوں نہ ہو جو کسی طریقہ کا جان و مال کا یا قانون کا تحفظ کرتی ہو، معیار کے مطابق نہ سہی۔ انارکی کی حالت سے جب کہ کوئی بھی کسی کا محافظ نہ ہو، بہتر ہوتی ہے۔ آپ بدامنی نہیں پیدا کر سکتے۔ آپ **امر بالمعروف** اور **نهی عن المنكر** کی بات کریں یعنی آپ بلاخوف **لومة لائم**، بغیر کسی کی پرواہ کیے خطرات کو مول لے کر کے صحیح بات کریں۔ اگر آپ یہ کہتے ہیں تو آپ نظام اسلامی کی خدمت کریں گے۔ مسلمانوں کے تمام اچھے لوگوں کی مثالوں سے واضح ہے کہ یہی طریقہ ہے۔

حضرت حسینؓ نے بھی یہی کیا ہے۔ وہ جس وقت نکلے ہیں تو امیر یزید کی حکومت پوری طرح قائم نہیں ہوئی تھی ہر جگہ بیعت نہیں ہوئی تھی۔ حضرت حسینؓ اس ارادہ سے نکلے تھے کہ میں لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر کے ایک صحیح نظام قائم کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا تو چاہے ان کا یہ اجتہاد غلط ہو لیکن ان کا یہ اقدام صحیح تھا۔ انہوں نے ٹھیک کیا لیکن وہاں جانے کے بعد ان کو یہ معلوم ہوا کہ امیر یزید کی تمام بڑے شہروں نے بیعت کر لی ہے تو انہوں نے اپنی پوزیشن بدل لی اور انہوں نے کہا کہ مجھے یا تو مدینہ واپس جانے دیا جائے یا سرحدوں پر جانے دیا جائے یا مجھے امیر کے پاس جانے دیا جائے۔ یہ انہوں نے کہا، یہ واقعہ ہے، روایت موجود ہے۔ اگر انہوں نے یہ بات کی تو میرے نزدیک ٹھیک عادل آدمی کی طرح کی تھی۔ اب کن لوگوں نے ان کو نہیں جانے دیا تو واقعہ ہے کہ ان لوگوں نے نہیں جانے دیا جن کی مصلحت یہ

تھی کہ نہ جانے پائیں اور حقیقت میں کوفہ کے لوگوں کی مصلحت اسی میں تھی۔ ایک مرتبہ جب تلوار چمک گئی ہے تو بالے گورے کو نہیں دیکھتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملت میں اتنا بڑا حادثہ ہو گیا جس کی وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تفرقہ پڑ گیا ہے۔ میرے نزدیک یہ ہے کہ امیر یزید کی حکومت بالکل صحیح قائم ہو گئی تھی۔ حضرت حسینؓ نے بالکل صحیح موقف اختیار کیا اور بہت معقول طریقہ پر اختیار کیا۔ جس وقت وہ اٹھے تو ان کا اٹھنا جائز تھا۔ جس وقت ارادہ بدلا تو یہ بھی ٹھیک تھا۔ باقی رہ گیا جو واقعہ ہوا ہے یہ مفسدین کا کیا ہوا ہے۔ اہل ایمان سے اس کا تعلق نہیں۔ اور نہ سیدنا حسینؓ سے تعلق ہے اور نہ امیر یزید سے تعلق ہے **لا تنازع الامر اهله** کا یہی مطلب ہے۔

رہی طاقت فراہم کرنے کی بات تو ظاہر ہے کہ ایک منظم فوج بنانے کے لیے ملک کے اندر تو آپ نہیں بنا سکتے، اس کا امکان نہیں ہے۔ کسی آزاد علاقہ میں کریں گے۔ سید احمد صاحب اور ان کے رفقاء نے ایسا کیا تھا تو آزاد علاقہ میں جا کر کیا تھا۔ باقی رہ گیا ملک کے اندر ہڑبونگ کرنا، انارکی پیدا کرنا صحیح نہیں اور وہ حکومت جو معیاری نہ ہو وہ انارکی سے بہر حال بہتر ہے۔

۲۔ **وحدثني عن مالك عن زيد بن اسلم قال: كتب ابو عبيدة بن الجراح الى عمر بن الخطاب يذكر له جموعاً من الروم، وما يتخوف منهم فكتب اليه عمر بن الخطاب اما بعد، فانه مما ينزل بعبد مومن من منزل شدة يجعل الله بعده فرجاً و انه من يغلب عسر يسرين، و ان الله تعالىٰ يقول في كتابه: يايها الذين امنوا اصبروا و صابروا و رابطوا واتقوا الله لعلكم تفلحون۔**

ترجمہ: زید بن اسلم کہتے ہیں کہ ابو عبیدہ بن الجراح نے حضرت عمرؓ کو لکھا اور رومیوں کے بارے میں اندیشہ ظاہر کیا اور جو کچھ ان کی طرف سے خطرہ تھا اس کا ذکر کیا تو حضرت عمرؓ نے لکھا کہ اما بعد، بندے پر کوئی شدت نازل نہیں ہوتی کہ جس کے بعد اللہ تعالیٰ کشادگی نہ رکھے۔ اور یہ کہ یاد رکھو ایک عسر دو یسروں پر غالب نہیں ہو سکتا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یہ فرمایا کہ اے ایمان والو صبر کرو، ثابت قدم رہو، مقابلے کے لیے تیار رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب رہو۔

وضاحت: یہ جو حضرت عمرؓ نے لکھا کہ کوئی شدت نازل نہیں ہوتی کہ جس کے بعد اللہ تعالیٰ کشادگی نہ رکھے، یہ تو ان سے مستنبط ہے کہ **فان مع العسر يسراً ان مع العسر يسراً**۔ لاریب ہر تنگی کے بعد کشادگی ہے اور یہ بھی لکھا کہ ایک تنگی دو آسانیوں پر غالب نہیں آ سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ **فان مع العسر يسراً ان مع العسر يسراً** ہے۔ عسر کے اوپر تو ال عہد کا داخل ہے تو وہ تو دونوں ایک ہی ہوگا

اور یسرا نکرہ ہے، یہ دونوں الگ الگ ہوں گے۔ تو حضرت عمرؓ کا استنباط یہ ہے کہ عسر تو ایک ہے اور یسر دو ہیں تو یہ کس طریقہ سے ممکن ہے کہ ایک عسر دو یسروں پر غالب ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اصبروا صبر کرو یعنی مزاحمتوں کے مقابل میں جمے رہو، صابروا، یعنی دوسرے کے مقابل میں ڈٹے رہو۔ مصابرت میں مقابلہ ہوتا ہے۔ یعنی استقامت میں بازی لے جانے کی کوشش کرو اور رابطوا کے معنی یہ ہیں کہ میدان جنگ میں اپنے ہنر دکھاؤ اور سب کا خلاصہ یہ کہ اللہ سے ڈرتے رہو اس کی وجہ یہ ہے کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ کسی اور سے نہیں ڈرتا۔ یہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہو گا اور تم کامیاب رہو گے۔

النهي عن يسافر بالقران الى الارض العدو:

دشمن کے علاقہ میں قرآن لے کر نہیں جانا چاہیے۔

۷۔ حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عن نافع عن عبدالله بن عمرؓ انه قال: نهى رسول الله ﷺ ان يسافر بالقرآن الى الارض العدو. قال يحيىٰ قال مالك و انما ذالک مخافة ان ينا له العدو.

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ قرآن مجید لے کر دشمن کے علاقہ میں سفر کیا جائے۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ مالک کہتے ہیں کہ یہ اس لیے کہ کہیں اس کو دشمن نہ پالیں۔

وضاحت:۔ میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانے میں قرآن مجید کی اشاعت عام نہیں ہوئی تھی۔ قرآن مجید کا نام تو تھا کہ مسلمانوں کے پیغمبر پر قرآن اترتا ہے اور یہ ساری آگ اسی کی لگائی ہوئی ہے، وہ یہ کہتے تھے۔ لیکن وہ ہے کیا، ابھی ان کو کچھ پتہ نہیں تھا اس لیے کہ پریس تو تھا نہیں کہ عام اشاعت ہوتی۔ منع جو کیا گیا تو اس کی حکمت یہ ہوگی کہ دشمن اس سے ناجائز فائدہ بھی اٹھا سکتے تھے، اس کے نام سے مختلف قسم کی باتیں بنا سکتے تھے، پروپیگنڈا کر سکتے تھے، اس لیے منع کیا گیا۔ اس دور میں یہ اندیشہ ہو سکتا تھا کہ اس کو ذریعہ بنا کر دشمن کوئی فتنہ نہ کھڑا کر دے، لیکن اب جب کہ قرآن مجید کے نسخے بے شمار ہیں، حافظ بے شمار ہیں، اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

(ترتیب: سید اسحاق علی)

مطبوعات

ادارہ تدبر قرآن و حدیث

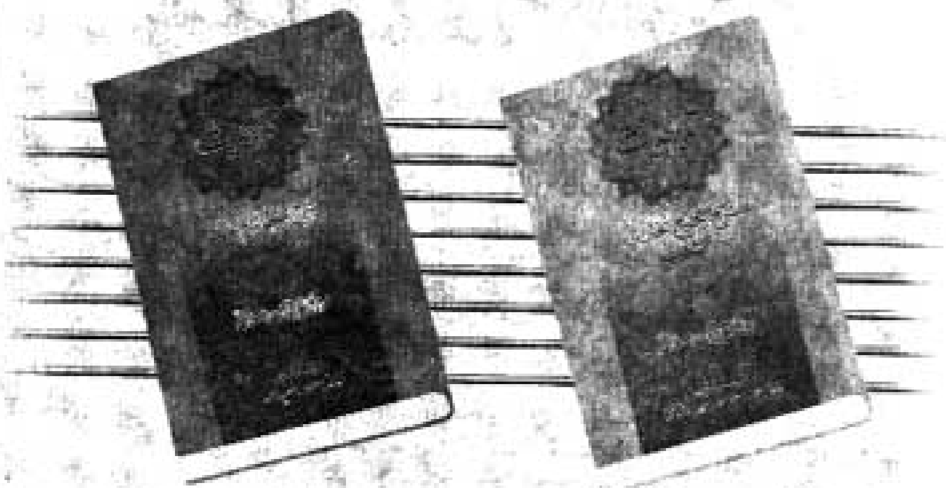

تدبر حدیث

ترجمہ و توضیح: مولانا امین احسن اصلاحی

ترتیب و تدوین: مولانا خالد مسعود، سعید احمد، سید اسحاق علی

- فہم حدیث کا نیا اور منفرد انداز
- عظیم تر اسلامی فقہ کے تناظر میں فقہی آرا کا محاکمہ
- قرآن مجید کے تقابل میں شرح حدیث

شرح صحیح بخاری (جلد اول) صفحات 580 قیمت: 360 روپے

شرح موطا امام مالک (جلد اول) صفحات 544 قیمت: 350 روپے

ملنے کا پتہ

ادارہ تدبر قرآن و حدیث رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد لاہور

فاران فاؤنڈیشن 122۔ فیروز پور روڈ۔ اچھرہ، لاہور

دار التذکیر رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

مولانا خالد مسعودؒ

علامہ حمید الدین فراہیؒ (۱۸۶۳ءتا۱۹۳۰ء)

اصل نام عبدالحمید ہے جو ان کی مطبوعہ تصانیف پر بطور مصنف لکھا ہوا ملتا ہے' لیکن شہرت دوسرے نام حمید الدین کو حاصل ہے جو ان کی ذاتی دستاویزات یا ان اداروں کے ریکارڈ میں پایا جاتا ہے جن میں انھوں نے کام کیا۔ وہ خطوط میں بھی دوسرا نام اختیار کرتے ہیں۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ان کی کتاب ''امعان فی اقسام القرآن' مطبوعہ قاہرہ میں ترجمۂ مصنف تحریر کیا تو ان کا نام یوں لکھا: حمید الدین ابو احمد عبدالحمید الانصاری الفراہی۔

فراہیؒ کا خاندان اپنی نسبت انصار مدینہ کی طرف بتاتا ہے۔ اولاد انصار ہندوستان آئی تو پہلے پانی پت میں اور پھر جون پور میں آباد ہوئی۔ وہاں سے آگے بڑھ کر انھوں نے یوپی کے ضلع اعظم گڑھ میں سکونت اختیار کی۔ فراہیؒ کے دادا نے اعظم گڑھ سے بارہ میل دور ایک گاؤں پھریہا میں جائداد خریدی اور وہیں آباد ہو گئے۔ اسی گاؤں کے نام کو معرب کر کے حمید الدینؒ اپنے نام کے ساتھ فراہی لکھتے تھے۔

فراہیؒ کا سلسلہ نسب یوں ہے: عبدالحمید فراہی ولد عبدالکریم ولد قربان قنبر ولد تاج علی۔ قربان قنبر اعظم گڑھ کے ایک نامور وکیل اور علامہ شبلی نعمانیؒ کے نانا تھے۔ ان کے بیٹے عبدالکریم نے بھی وکالت پڑھی' لیکن اس کو بطور پیشہ اختیار نہ کیا بلکہ زمینداری کرتے اور بڑے ٹھاٹھ باٹھ سے رہتے۔ ان کے دو بیٹوں میں بڑے حمید الدینؒ تھے جن کی ولادت پھریہا میں ۶ رجمادی الثانی ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸ رنومبر ۱۸۶۳ء چہار شنبہ کے روز ہوئی۔

تعلیم:

فراہیؒ نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ دس سال کی عمر میں حافظ احمد علی ساکن سکرور سے قرآن مجید حفظ کر لیا۔ فارسی زبان مولوی محمد مہدی چتاروی سے سیکھی جو فارسی کے ایک قادر الکلام شاعر تھے۔ (یادِ رفتگاں۔ ۴۸) عربی زبان اور دینی علوم کی تحصیل کے لئے اعظم گڑھ میں اپنے پھوپھی زاد بھائی علامہ شبلیؒ کے ہاں چلے گئے۔ ان سے درس نظامی کی اکثر کتابیں پڑھیں۔ اسی دوران میں شبلیؒ کے استاذ مولانا

فاروق چریاکوٹی کی عالمانہ صحبتوں سے مستفیض ہونے کا موقع ملتا رہا۔ فقہ میں ممارست کے لیے لکھنؤ میں مولانا ابوالحسنات عبدالحی فرنگی محلی کے حلقہ درس میں شرکت کی' نیز معقولات میں مولانا فضل اللہ بن نعمۃ اللہ انصاری سے استفادہ کیا۔ (نزہۃ الخواطر ۸'۲۲۹) ۱۸ رسال کی عمر میں لاہور چلے گئے جہاں اورینٹیل کالج کے پروفیسر اور نامور عربی ادیب مولانا فیض الحسن سہارنپوری سے دیوان حماسہ' سبعہ معلقات اور ادب جاہلی کی کتابیں پڑھیں۔ قرآن مجید کی معجزانہ فصاحت و بلاغت کی نکتہ شناسی کا ملکہ ان کے اندر اپنے انھی استاذ کے فیضان سے پیدا ہوا۔ (حیات شبلی' ۸۳) فراہیؒ عربی ادب اور علوم اسلامیہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے تو ان کی عمر بیس برس تھی۔

فراہی کو انگریزی زبان اور عصری علوم کی اہمیت کا اندازہ تھا۔ لاہور سے وطن لوٹ کر انھوں نے باقاعدہ تعلیم کے لئے کرنل گنج سکول الہ آباد میں داخلہ لے لیا۔ انٹرنس کا امتحان پاس کرنے کے بعد ۱۸۹۱ء میں ایم اے او کالج علی گڑھ میں داخلہ لیا۔ کالج میں فلسفہ جدید میں ان کے استاذ پروفیسر ٹامس آرنلڈ تھے۔ ان کی صحبت نے فراہیؒ کی طبیعت میں فلسفہ سے مناسبت پیدا کر دی۔ اس وقت علی گڑھ کالج کا الحاق الہ آباد یونیورسٹی سے تھا چنانچہ فراہیؒ نے اسی یونیورسٹی سے ۱۸۹۵ء میں بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ بعد میں دو سال قانون پڑھا' لیکن اس کا امتحان نہیں دیا۔ فراہیؒ کی عصری تعلیم کا سلسلہ ۱۸۹۷ء میں منقطع ہوا۔

فراہیؒ نے دوران تعلیم قرآن مجید کو مرکز نگاہ بنائے رکھا۔ اس پر تدبر و تفکر کرتے اور اس کی مشکلات کا حل تلاش کرتے رہے۔ ان کو سورتوں کا ربط و نظام سمجھنے میں اولین کامیابی علی گڑھ کے زمانہ قیام میں حاصل ہوئی۔ قرآن فہمی کا یہی اسلوب بعد میں ان کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بن گیا۔ اب ان کی اصل پہچان قرآنیات کے ایک ماہر اور علم تفسیر کے ایک نئے اسلوب کے بانی کے طور پر ہے۔

کسب معاش:

۱۸۹۷ء میں فراہیؒ نے مدرسۃ الاسلام کراچی میں عربی اور فارسی کے معلم کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا۔ اس مدرسہ میں انھوں نے ۱۹۰۶ء تک کام کیا۔ تدریسی مصروفیات کے ساتھ ساتھ انھوں نے قرآن پر تدبر و تفکر کے نتائج کو بھی قلمبند کرنا شروع کر دیا۔ ۱۹۰۷ء میں ایم اے او کالج علی گڑھ میں بطور اسسٹنٹ پروفیسر عربی تعینات ہوئے۔ ان کے شعبہ کے سربراہ مشہور مستشرق جوزف ہارووز (Joseph Horovitz) تھے۔ وہ فراہیؒ کی عربی دانی سے بہت متاثر تھے۔ وہ خواستگار ہوئے کہ فراہی ان کو اعلیٰ عربی پڑھائیں اور وہ اس کے بدلے میں ان کو عبرانی زبان سکھائیں گے۔ فراہیؒ نے یہ تجویز مان لی اور عبرانی

زبان میں اتنی مہارت حاصل کر لی کہ عہد نامہ عتیق کے عبرانی نسخوں کو پڑھنے پر قادر ہو گئے۔ آگے چل کر ان کو اس علم نے بعض اہم تحقیقات میں بڑی مدد دی۔ کالج میں ڈیڑھ سال ملازمت کرنے کے بعد ان کا تقرر میور سینٹرل کالج الہ آباد میں بطور پروفیسر عربی ہوا۔ اس عہدہ پر انھوں نے چھ سال کام کیا۔

۱۹۱۴ء میں فراہیؒ کی خدمات نظام دکن کی حکومت نے الہ آباد یونیورسٹی سے مستعار لے لیں اور ان کو حیدر آباد کی اعلیٰ ترین درسگاہ دارالعلوم کا صدر مقرر کیا۔ حکومتی منصوبہ کی رو سے دارالعلوم کے نصاب کو نئی تشکیل دینا' اس میں عصری علوم کا اضافہ کرنا اور ترقی دے کر اس کو ایک مشرقی علوم کی یونیورسٹی بنانا پروگرام میں شامل تھا۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے موزوں ترین شخصیت حمید الدین فراہیؒ کی پائی گئی اور ان کو گرانقدر مشاہرہ پر الہ آباد سے حیدر آباد لایا گیا۔ انھوں نے دارالعلوم کے حالات کی بہتری کے لئے ضروری اقدامات کیے' نصاب تعلیم میں تبدیلیاں کیں' سائنسی علوم کا اضافہ کیا اور حکومت کے سامنے عثمانیہ یونیورسٹی کا منصوبہ پیش کیا جس میں دو باتیں ملحوظ تھیں۔ ایک یہ کہ قدیم و جدید علوم دونوں کے نظام تعلیم اور طریق تعلیم کی خوبیوں کو جمع کرنے کی اس طرح کوشش کی جائے کہ اس سے ایک مسلمان معاشرہ کی جملہ ضرورتیں بطریق احسن پوری ہوں' دوسری یہ کہ اس میں اردو کو ذریعہ تعلیم بنایا جائے۔ (ذکر فراہی۔ ۲۹۳) یونیورسٹی کے قیام کی جانب ایک قدم کے طور پر فراہیؒ نے دارالعلوم کو ایک کالج اور ایک مدرسہ فوقانیہ میں تقسیم کر دیا۔ اردو ذریعہ تعلیم کے ساتھ سائنسی علوم کی تعلیم میں ایک بڑی رکاوٹ فنی اصطلاحات کا مسئلہ تھا۔ اس مشکل کے حل کے لئے سر اکبر حیدری کی سربراہی میں جو مجلس وضع اصطلاحات قائم ہوئی اس کے ایک رکن فراہیؒ بھی تھے۔ انھوں نے اس مجلس میں بھرپور کردار ادا کیا۔

حکومت کے محکمہ تعلیم میں مغرب زدہ افسران دارالعلوم کو ترقی دینے کے حق میں نہ تھے۔ البتہ عثمانیہ یونیورسٹی کے لئے اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کی حمایت کرتے تھے۔ یونیورسٹی کا آغاز عثمانیہ یونیورسٹی کالج کے قیام سے کیا گیا اور فراہیؒ کو اس کا پرنسپل مقرر کیا گیا۔ دارالعلوم اس کالج کا شعبہ دینیات قرار پایا' لیکن فراہیؒ دینی تعلیم کے ساتھ افسروں کی مخاصمت سے بددل ہو گئے۔ ادھر ان کا تحقیقات قرآنی کا منصوبہ نظر انداز ہو رہا تھا لہٰذا انھوں نے حکومت کو اپنا استعفیٰ پیش کر دیا اور اگست ۱۹۱۹ء میں واپس اپنے وطن چلے گئے۔

نومبر ۱۹۱۴ء میں علامہ شبلیؒ کا جب انتقال ہوا تو وہ اعظم گڑھ میں ایک علمی و تحقیقی مرکز دارالمصنفین کے قیام کے لئے کوشاں اور اعظم گڑھ سے بیس میل دور ایک قصبہ سرائے میر میں قائم ایک معمولی مدرسہ کے معاملات کی نگرانی کر رہے تھے۔ ان کے ادھورے کاموں کی تکمیل کے لئے ایک مجلس تشکیل دی گئی

جس کے صدر حمید الدین فراہیؒ اور ناظم سید سلیمان ندوی منتخب ہوئے۔ اسی مجلس نے دارالمصنفین کی تجویز کو عملی شکل دی اور یہ ادارہ آج تک کام کر رہا ہے۔

۱۹۱۶ء میں سرائے میر کے مدرسہ کے ناظم کے طور پر فراہیؒ کا انتخاب ہوا لیکن حیدر آباد میں مقیم ہونے کے باعث وہ اس ذمہ داری کو ادا کرنے سے قاصر تھے۔ ۱۹۱۹ء میں وطن واپس آ کر انھوں نے مدرسہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا' اس کا نظام تعلیم جدید خطوط پر وضع کیا' نصاب میں تبدیلیاں کیں' مدرسہ کے قواعد و ضوابط بنائے اور اس میں منفرد طریقہ درس کی طرح ڈالی جس کا منصوبہ تو ان کے ذہن میں تھا' لیکن اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے سازگار حالات میسر نہیں آئے تھے۔

زندگی کے آخری پانچ برسوں میں انھوں نے مدرسہ کے اساتذہ اور منتہی طلبہ پر انفرادی توجہ صرف کر کے ان کو قرآن مجید کا تحقیقی درس دیا اور ان کی فکری تربیت کی تاکہ وہ ان کے سرمایہ علمی میں اضافہ اور ان کے قرآنی فکر کی اشاعت کی تدبیریں کر سکیں۔ چنانچہ آج بھی مدرسۃ الاصلاح سرائے میر انھی کے تجویز کردہ نہج پر دینی تعلیم دے رہا ہے اور اس فکر کے حاملین نے جہاں جہاں مدرسے قائم کیے وہ اسی فکر کو مشعل راہ بنائے ہوئے ہیں۔

فراہیؒ کو سر درد اور گردے کی خرابی کے عارضے لاحق تھے۔ وہ گردے کے اپریشن کے لئے متھرا کے ہسپتال میں داخل ہوئے۔ وہیں ۱۹ رجمادی الثانی ۱۳۴۹ھ بمطابق ۱۱ رنومبر ۱۹۳۰ء کو ان کی وفات ہوئی۔ تخلی الی المولی المجید حمیدؒ سے سال وفات برآمد ہوتا ہے۔

فراہیؒ کی اولاد میں تین لڑکے تھے۔ سب سے سب بڑے بیٹے محمد حماد کا انتقال کراچی میں ہو گیا۔ باقی دو بیٹوں محمد سجاد اور محمد عباد سے ان کی نسل چلی۔

تلامذہ:

فراہیؒ جہاں بھی رہے درس قرآن کا بالعموم اہتمام کرتے رہے جس سے وقتاً فوقتاً استفادہ کرنے والوں اور ان کے عقیدت مندوں میں عبداللہ العادی (م ۱۳۶۶ھ)' سید سلیمان ندویؒ (م ۱۳۷۳ھ)، مناظر احسن گیلانی (م ۱۳۷۵ھ)، ابوالکلام آزاد (م ۱۳۷۷ھ) اور عبدالماجد دریابادی (م ۱۳۹۷ھ) جیسے بڑے نام شامل ہیں۔ علامہ شبلیؒ ان کے استاد تھے' لیکن علمی مسائل میں مسلسل ان کی رائے اور تحقیقات جاننے کا اہتمام کرتے رہے جس پر شاید فراہیؒ کے نام ان کے ۷۷ خطوط ہیں۔ (مکاتیب شبلی بنام حمید الدین)۔ دو تلامذہ جن پر فراہیؒ نے خصوصی توجہ دی اور انھوں نے بھی استاذ کی خدمت اور ان سے

استفادہ کا حق ادا کر دیا، وہ اختر احسن اصلاحی (م ۱۳۷۸ھ) اور امین احسن اصلاحی (م ۱۴۱۸ھ) ہیں۔ اول الذکر مدرسہ سے فارغ التحصیل ہو کر مدرسۃ الاصلاح سرائے میر ہی میں تفسیر اور عربی ادب کی تعلیم دینے لگے اور یہ سلسلہ ان کی وفات تک جاری رہا۔ انھوں نے استاذ کے مسودات کی ترتیب و تخریج پر کام کیا اور ان کو قابل اشاعت بنایا۔ امین احسن اصلاحی بھی ۱۹۴۳ء تک مدرسہ سے بطور استاد وابستہ رہے۔ انھوں نے استاذ کے بہت سے عربی مسودات کا اردو میں ترجمہ کیا اور ان کے اصولوں کی روشنی میں تفسیر تدبر قرآن لکھی۔ انھوں نے اپنی متعدد تصانیف نیز کئی جرائد کو استاذ کے فکر کی اشاعت کا وسیلہ بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ آج فراہی طریقہ تفسیر کو ایک الگ مکتب فکر کے طور پر بین الاقوامی طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔

تصانیف:

فراہیؒ نے جو کچھ لکھا قرآن مجید کو محور بنا کر لکھا اور عربی کو ذریعہ بنایا۔ ان کا طریقہ تصنیف بھی اپنا تھا۔ قرآنیات کے مختلف موضوعات اور اشکالات ان کے سامنے رہتے۔ وہ ان پر برابر غور و فکر کرتے رہتے۔ جونہی کسی مسئلہ کا حل سمجھ میں آتا وہ کاغذ پر اس کو لکھ کر متعلقہ موضوع کی فائل میں رکھ لیتے چنانچہ بیک وقت متعدد کتابیں زیر تصنیف رہتیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی بہت کم کتابیں مکمل ہو سکیں۔ باقی سب کے ناتمام مسودات موجود ہیں اور وہ تعداد میں ان کی تکمیل شدہ تصانیف سے بہت زیادہ ہیں۔ مطبوعہ کتب کی فہرست حسب ذیل ہے:

۱) تفسیر نظام القرآن و تاویل الفرقان بالفرقان

اس میں آیت بسم اللہ، الفاتحہ، الذاریات، التحریم، القیامہ، المرسلات، عبس، الشمس، التین، العصر، الفیل، الکوثر، الکافرون، اللہب اور الاخلاص کی تفاسیر شامل ہیں۔ ان کا اردو ترجمہ مجموعہ تفاسیر فراہی کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

۲) تفسیر سورہ البقرہ (۶۲ آیات تک) — شائع کردہ: دائرہ حمیدیہ سرائے میر (۱۴۲۰ھ)

۳) امعان فی اقسام القرآن — (شائع کردہ: دارالقلم دمشق، الدار الشامیہ بیروت ۱۴۱۵ھ، اس کا اردو ترجمہ اقسام القرآن کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

شائع کردہ: دارالقلم دمشق (۱۴۲۰ھ)

۴) الرای الصحیح فی من ہو الذبیح — (اس کا اردو ترجمہ 'ذبیح کون ہے؟' کے نام سے دستیاب ہے)

۵) مفردات القرآن — شائع کردہ: دارالغرب بیروت (۱۴۲۲ھ)

۶) دلائل النظام — شائع کردہ: دائرہ حمیدیہ سرائے میر (۱۹۶۸ء)

۷) التکمیل فی اصول التاویل — ایضاً

۸) اسالیب القرآن — ایضاً (۱۹۶۹ء)

(نمبر ۶، ۷، ۸ کے جزوی تراجم اردو میں "تفسیر قرآن کے اصول" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

شائع کردہ: ادارہ تدبر قرآن و حدیث، لاہور)

۹) جمہرۃ البلاغہ — شائع کردہ مطبوعہ معارف اعظم گڑھ (۱۳۶۰ھ)

۱۰) فی ملکوت اللہ — شائع کردہ: دائرہ حمیدیہ سرائے میر (۱۹۷۱ء)

۱۱) القائد الی عیون العقائد — ایضاً (۱۹۷۵ء)

۱۲) امثال آصف الحکیم — ایضاً (۱۳۹۳ھ)

(یہ کتاب Aesop's Fables کے منتخب قصص کا عربی ترجمہ ہے۔)

۱۳) دیوان ابی احمد (عربی کلام) — شائع کردہ: دائرہ حمیدیہ سرائے میر (۱۹۶۷ء)

۱۴) نوائے پہلوی (فارسی کلام) — ایضاً

۱۵) خرد نامہ بہ زبان دری منظوم۔ یہ صحیفہ امثال سلیمان کا ترجمہ ہے۔ (۱۹۱۶ء)

۱۶) آنحضرت کا سلسلہ نسب اور اہل کتاب — مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی (۱۹۹۱ء)

۱۷) اسباق النحو، اسم اور فعل کے بیان میں — شائع کردہ: دائرہ حمیدیہ سرائے میر (۱۳۸۴)

۱۸) تحفۃ الاعراب (نحو کی منظوم کتاب اردو میں) — مطبع: معارف اعظم گڑھ (۱۹۷۱ء)

۱۹) ترجمہ قرآن (اردو) سورہ قیامہ تا سورہ ناس — شائع کردہ: دائرہ حمیدیہ سرائے میر (۱۹۹۰ء)

۲۰) طبقات ابن سعد (دو اجزا کا فارسی ترجمہ) — یہ ترجمہ علی گڑھ کالج کی نصابی ضرورت کے تحت کیا گیا۔

۲۱) تاریخ بدر الاسلام — (علامہ شبلی کی کتاب کا فارسی ترجمہ)

فراہی کی حسب ذیل کتب ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں:

۱) حکمۃ القرآن — (اس کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے)

۲) النظام فی الہدایۃ الاسلامیہ — (اس کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے)

۳) حجج القرآن

۴) الرائع فی اصول الشرائع

۵) احکام الاصول باحکام الرسول

ان کے علاوہ مختلف موضوعات پر نا تمام مسودے کثرت سے لکھے گئے۔

اصل میدانِ عمل:

فراہی کا اصل میدان عمل جس میں ان کی جولانیٔ فکر اپنی معراج پر نظر آتی ہے قرآن فہمی کے لیے ان کی کاوشیں ہیں۔ قرآن مجید کے بارے میں اس عام خیال کو ان کا ذہن کسی طرح قبول نہ کرتا کہ یہ متفرق مضامین کی حامل آیات کا مجموعہ ہے اور اس کی یہی خصوصیت اس کا حسن ہے۔ اصولی طور پر وہ جانتے تھے کہ ربط و نظم کسی بھی معقول کلام کا ایک لازمی خاصہ ہوتا ہے، لہٰذا اگر اس سے صرفِ نظر کر لیا جائے تو کلام کے معنی و مفہوم کے ایک حصہ سے محروم ہونا پڑے گا کیونکہ ترکیب میں ایک زائد حقیقت مستور ہوتی ہے جو الگ الگ اجزا میں مفقود ہوتی ہے، لہٰذا قرآن میں بے ترتیبی اور بے نظمی کا تصور قلت تدبر یا اسالیب کلام سے ناواقفیت کے باعث پیدا ہوا ہے۔ فراہی نے کتاب اللہ پر غور و خوض اور تفکر و تدبر کو اپنا مقصد حیات بنا لیا۔ بالآخر ایک وقت آیا جب اللہ تعالیٰ نے ان پر معارف کے فہم کی راہیں کھول دیں اور ان اصولوں تک ان کی رہنمائی ہوئی جن کی مدد سے قرآن فہمی کی مشکلات حل کی جا سکتی ہیں۔

فراہی کے نزدیک قرآن فہمی کے اصول و مبادی میں اساسی اہمیت ان کے تصور نظم قرآن اور تاویل القرآن بالقرآن کو حاصل ہے۔ کئی مفسرین ان دونوں اصولوں کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن ان کے ہاں ان کا اطلاق نہایت محدود اور بالکل جزوی طور پر ہوتا ہے۔ فراہی کے نزدیک قرآن مجید اپنی ہیئت، ترتیب، ترکیب، معنی اور موضوع ہر لحاظ سے ایک مربوط و منظم کلام ہے۔ ہر سورہ ایک وحدت ہے جس کا ایک مرکزی مضمون ہوتا ہے۔ اس کو وہ عمود کا نام دیتے ہیں۔ سورہ کے تمام مباحث براہ راست یا بالواسطہ عمود سے متعلق ہوتے ہیں۔ سورتیں بھی باہم دگر مربوط ہیں اور ان میں کلام کا ارتقا ہوتا ہے، یہاں تک کہ پورا قرآن ایک منظم کلام کا جلوہ پیش کرتا ہے۔

تاویل القرآن بالقرآن کو بھی فراہی نہایت وسیع تناظر میں لیتے ہیں، وہ الفاظ و اسالیب کے نظائر قرآن ہی میں تلاش کرتے ہیں۔ وہ مضامین سورہ کا تقابل دوسری سورتوں کے مضامین سے کرتے اور ایک جامع مضمون کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ فراہی کے نزدیک اگر نظم اور سیاق کلام کو ملحوظ رکھا جائے تو اس بات

[illegible] ہوتا ہے۔ کسی آیت کی دو یا دو سے زائد تاویلیں ہوں۔ کثرت تاویلات نے امت کے اختلافات کو جنم دیا ہے اور اس سے دشمنان دین کو موشگافیوں کا موقع ملتا ہے۔ قرآن قطعی الدلالہ ہے لہٰذا اس کی ایک ہی تاویل قابل قبول ہوگی جو نظم سورہ اور سیاق و سباق سے مطابقت رکھنے والی ہو۔

قرآن چونکہ عربی مبین میں نازل ہوا اس لیے کسی لفظ کی تفسیر شاذ، منکر اور غریب معانی کے مطابق قابل قبول نہیں ہوگی۔ اسی طرح کسی آیت کے اصل مخاطب کو پہچاننے میں کوتاہی کی جائے تو تاویل بالکل غلط ہو جائے گی۔ یہ سورہ کے داخلی اشارات اور اس کے بیانات ہیں جو اس بات کا تعین کرتے ہیں کہ اس میں اصلاً کس گروہ یا کن گروہوں سے خطاب کیا گیا ہے اور کس ذہن و فکر کی اصلاح کی گئی ہے۔

فراہی نے اپنے ان اصولوں کا استعمال واضح کرنے کے لیے بعض مشکل سورتوں کی تفسیر لکھی۔ انھوں نے الفاظ کی تحقیق، اسالیب زبان، نحو، بلاغت، نظم و سیاق، نظائر قرآن ہر پہلو سے بحث کی اور دکھایا کہ قرآن پر تدبر کا حق ادا کیا جائے اور صحیح اصول سامنے ہوں تو کلام اللہ کا ایک ایک جز کس طرح معانی سے لبریز ہوتا ہے۔ ان تفسیری نمونوں کے علاوہ انھوں نے دوسرے طالبانِ قرآن کے لیے ایسی کتب تحریر کیں جن کو سمجھ لیا جائے تو قرآن کے بیسیوں مقامات کو سمجھنے کی کلید ہاتھ آ جاتی ہے۔ مثال کے طور پر امعان فی اقسام القرآن میں انھوں نے قسم کی حقیقت و ضرورت، الفاظ قسم اور قسم کھانے کے طریقوں پر روشنی ڈالنے کے بعد عرب و عجم کے کلام سے فراہم کردہ شواہد کی مدد سے ثابت کیا ہے کہ قسم کا مقصود استدلال و استشہاد ہوتا ہے۔ قرآن کی قسموں کا حقیقی مقصد بھی سورہ کے مضامین کے حق میں شہادت فراہم کرنا ہے۔ ان میں تقدیس کا پہلو بہت کم ہے اور جہاں ہے وہ بالکل اتفاقی ہے۔ کتاب مفردات القرآن میں یہ دکھایا گیا ہے کہ الفاظ قرآن پر کس انداز سے تحقیق ہونی چاہیے۔ انھوں نے کلام عرب کے علاوہ عبرانی زبان کے ہم معنی الفاظ سے دلیل اخذ کر کے بعض الفاظ کا معنی متعین کرنے میں اصحاب لغت کی غلطی واضح کی ہے۔ کتاب جمہرۃ البلاغہ میں انھوں نے دقیق مباحث کے بعد ثابت کیا ہے کہ کلام کی فصاحت و بلاغت جانچنے کے لیے اہل فن کے متعین کردہ اصول ناتمام ہیں۔ ان کی روشنی میں قرآن کی فصاحت و بلاغت کو جانچنا کوئلے تولنے کی ترازو سے ہیروں کا وزن کرنے کے مترادف ہے۔ فراہی نے اس فن کو نئی ترتیب دے کر جدید اصول قائم کیے ہیں۔ کتاب الرای الصحیح فی من ہو الذبیح اہل کتاب کے اس دعویٰ کے تردید میں لکھی گئی ہے کہ ذبیح اللہ اسماعیل نہیں بلکہ اسحاق ہیں۔ فراہی نے کمال دقیقہ رسی اور لطافت استدلال والا ایسا اسلوب روشناس کرایا ہے جس کی مدد سے قدیم صحف آسمانی اور قرآن مجید پر غور و فکر کرنے سے

مسائل پر تحقیق کا ایک نیا انداز ہاتھ آتا ہے۔

تفسیر قرآن میں روایت کو رد یا قبول کرنے میں فراہیؒ کے پیش نظر حسب ذیل اصول تھے۔

۱) اصل واساس کی حیثیت قرآن کو حاصل ہے۔

۲) سنت ثابتہ منصب رسالت کا قدرتی جز اور شریعت کی ایک مستقل بنیاد ہے، لہٰذا قرآن اور سنت میں تفریق کرنا ایک ملحدانہ روش ہے۔

۳) حدیث کی حیثیت ایک فرع کی ہے۔ اس کا سبب روایت میں ظن کا دخل ہے۔

۴) ان روایات کو قبول کرنا جائز نہیں جو اصل کے خلاف اور نصوص قرآنی کی تکذیب کرتی ہوں۔

۵) قرآن اور حدیث کے درمیان اختلاف کی صورت میں حکم قرآن ہوگا۔

۶) خبر اگرچہ متواتر ہو قرآن کو منسوخ نہیں کر سکتی۔ ظن کی بنیاد پر نسخ کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

امت مسلمہ کے زوال کو روکنے کا طریقہ:

فراہیؒ نے امت مسلمہ کے عروج وزوال کے اسباب کا نہایت باریک بینی کے ساتھ تجزیہ کیا اور اس نتیجہ تک پہنچے کہ امت کے فکری انحطاط کی بڑی وجہ وہ غیر اسلامی فکری اور تہذیبی عناصر ہیں جو غیر محسوس طور پر ماضی میں اس کے فکری دھارے میں نفوذ کرتے رہے۔ اس وقت ان سے نجات حاصل کرنے کی واحد شکل یہ ہے کہ علوم کو بے آمیز قرآنی تعلیمات پر از سر نو استوار کیا جائے۔ یہ وہی کام ہے جس کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے اس زمانہ میں کئی ادارے قائم ہوئے ہیں جو عصری علوم کو اسلامیانے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ فراہیؒ نے اس کام کا آغاز ایک صدی قبل ہی کر دیا تھا۔ انھوں نے متعدد موضوعات پر بنیادی کام کیا۔ ان کے مسودات حجج القرآن، فقہ القرآن، القائد الی عیون العقائد، المنطق الجدید، العقل وما فوق العقل اور الاکلیل فی شرح الانجیل علوم کی تشکیل جدید میں ان کی پیش رفت پر شاہد ہیں۔

فراہیؒ امت کی اصلاح کے لیے دینی تعلیمی اداروں کو ذریعہ بنانا چاہتے تھے۔ وہ تعلیم سے خود وابستہ تھے اس لیے رائج الوقت نظام تعلیم کی خوبیوں اور خامیوں سے واقف تھے۔ ان کے نظریہ تعلیم کا مطمح نظر قرآن مجید کو مرکزی حیثیت دینا تھا تا کہ دوسرے تمام علوم اسی آفتاب سے روشنی اور توانائی حاصل کریں۔ اس کے لئے علما اور اساتذہ کے اندر سے جمود کو دور کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ انھوں نے علوم کی تشکیل جدید کا جو کام کیا اور قرآنیات پر جو کچھ لکھا، وہ سب عربی میں تھا تا کہ علماء اس سے استفادہ کر سکیں۔ اسی طرح جہاں کہیں موقع ملا انھوں نے نظام تعلیم کو نئے خطوط پر استوار کرنے کی جدوجہد کی۔ اس میں وہ

یہاں دینی نصاب میں تبدیلیاں لاتے وہیں انگریزی زبان اور عصری علوم کو بھی شجر ممنوعہ نہ سمجھتے۔ انھوں نے دارالعلوم حیدر آباد کے نصاب تعلیم میں اپنے تصور کے مطابق تبدیلیاں کیں۔ عثمانیہ یونیورسٹی کے ...ہ میں دینیات کو اہم مقام دلوانے کی کوشش کی جس میں ریاست کی مغرب زدہ انتظامیہ آڑے آ گئی۔ ...ب حکومت نے دینیات کو ثانوی حیثیت دے دی اور یونیورسٹی کو جدید خطوط پر قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا تو ...ان کی دلچسپی اس ادارہ سے ختم ہوگئی۔ انھوں نے وطن واپس آ کر ایک معمولی سے دینی مدرسہ کو اپنی توجہ کا مرکز بنا لیا اور بقیہ زندگی اس کو اپنے ذہن کے مطابق ایک اعلیٰ دینی ادارہ بنانے میں صرف کر دی۔ انھوں نے مدرسہ کے اغراض ومقاصد متعین کئے۔ نصاب تعلیم میں بنیادی تبدیلیاں کیں جن کے بعد مدرسہ کے ...یک طالب علم کے لیے ضروری ہوگیا کہ وہ سات برسوں میں پورا قرآن اس طرح پڑھ لے کہ وہ اس کو ...یک محقق کی طرح سمجھتا اور اس سے استدلال کر سکتا ہو، کتب حدیث کی تعلیم اس طرح حاصل کرے کہ ...ن کا ذہن گروہی عصبیتوں سے پاک ہو، فقہ میں کسی ایک مسلک کی فقہ کے بجائے فقہ اسلامی پڑھے، وہ ...چاروں آئمہ فقہ کو اپنا امام سمجھے اور ان کے مکتب فکر سے آگاہی حاصل کرے۔ مقصد یہ تھا کہ طلبہ میں وسعت نظر اور رواداری پیدا ہو اور ان کے اندر دوسرے مسلمانوں کی تکفیر وتفسیق کا ولولہ نہ ابھرے۔ صرف ونحو ...عربی زبان کی تعلیم کا انداز عملی تھا تا کہ طلبہ اس زبان کو ایک زندہ زبان کی حیثیت سے سیکھیں اور تحریر ...وتقریر میں اظہار خیال پر قادر ہوں۔ فراہیؒ نے عربی گرامر کے بوجھ کو کم کرنے کے لیے پہلے ہی اسباق النحو کے نام سے اسم اور فعل کے مباحث کو نئے انداز سے منضبط کر دیا تھا۔ اس طریقہ میں طلبہ کو "ما ۃ عامل" سے نجات دلوا دی تھی۔ ان کا گرامر پڑھانے کا طریقہ نہایت سہل تھا جس کے باعث عربی سیکھنے میں طلبہ کو غیر معمولی سہولت ملی اور وہ گرامر سیکھنے کی وہ مسافت چند ماہ میں طے کر لیتے جس کے طے کرنے پر پہلے کئی سال صرف ہوتے تھے۔ مدرسہ میں فنون کی تعلیم، امہات فن پڑھ کر حاصل کرنے کو رواج دیا گیا اور اصول فن سکھانے پر خاص توجہ دی گئی۔ طلبہ کو زندگی کی جدوجہد کے لئے تیار کرنے کی خاطر بقدر ضرورت انگریزی، ریاضی اور سائنس پڑھائی جاتی، نیز ان کو مفید صنعتیں سکھائی جاتیں۔

فکر فراہی کے پھیلنے کے امکانات:

فراہیؒ کے اصول تفسیر اور قرآنیات پر ان کے مباحث کو علمی حلقوں تک پہنچنے میں بڑا وقت لگا، ...وجہ یہ تمام سرمایہ علمی عربی زبان میں تھا۔ مجموعہ تفاسیر فراہی میں شامل سورتوں کی تفاسیر کا اردو ترجمہ ...چہ ان کی وفات کے بعد کے عشرہ میں ہو چکا تھا تاہم یہ بھی اشاعت کی مشکلات کے باعث عمومی توجہ

حاصل نہ کر سکا البتہ جب فراہیؒ کے عزیز شاگرد امین احسن اصلاحیؒ نے استاذ کے اصولوں پر پورے قرآن کی تفسیر 'تدبر قرآن' کے نام سے شائع کر دی تو اس کا انداز واسلوب اس قدر دلآویز اور منفرد تھا کہ اس کا تذکرہ ملکی سطح ہی پر نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی ہونے لگا۔ آج مغرب میں تفسیر قرآن پر جو کتابیں تصنیف کی جا رہی ہیں ان میں فراہی مکتب فکر کا بطور خاص تذکرہ کیا جاتا ہے۔ پاکستان اور بھارت کے علاوہ مصر، سعودی عرب، انگلستان اور امریکا کی یونیورسٹیوں میں حمید الدین فراہیؒ اور ان کے اصول تفسیر پر تحقیقی کام ہو رہا ہے اور متعدد طلبہ ایم فل اور ڈاکٹریٹ کر چکے ہیں۔ اہل علم اس انداز تفسیر میں عصر حاضر کے مسائل کا مواجہہ کرنے کے نئے امکانات دیکھ رہے ہیں۔

کتابیات

۱) مختصر حیات حمید — مشتمل بر مقالات سید سلیمان ندویؒ و امین احسن اصلاحیؒ مرتبہ: عبد الرحمن ناصر اصلاحی۔ دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر (۱۹۷۳ء)

۲) علامہ حمید الدین فراہی (اہل علم ودانش کی نظر میں) — دائرہ حمیدیہ سرائے میر

۳) علامہ حمید الدین فراہیؒ۔ حیات وافکار — مقالات فراہی سیمینار منعقدہ سرائے میر اکتوبر ۱۹۹۱ء (دائرہ حمیدیہ سرائے میر ۱۹۹۲ء) مرتبہ: ڈاکٹر عبید اللہ فراہی

۴) یادِ رفتگاں — دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۸۶ء

۵) ذکر فراہی — ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی، دائرہ حمیدیہ سرائے میر (۲۰۰۱ء)

۶) کتابیات فراہی — ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی، ادارہ علوم القرآن علی گڑھ (۱۹۹۱ء)

احوال قیامت

قرآن مجید میں قیامت کے جو احوال بیان ہوئے ہیں وہ صرف اس دن کا ہلکا سا تصور دینے کے لیے بیان ہوئے ہیں۔ ان کا تعلق متشابہات سے ہے۔ اس جہان میں ان کی اصل حقیقت کا سمجھنا مشکل ہے۔ ہم ہر چیز کو اپنے مشاہدہ، تجربہ، علم اور اپنے فہم کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لیے ان کو سمجھانے کے لیے ان ہی چیزوں کا حوالہ دیا جاتا ہے جن کا اس دنیا میں ہمیں تجربہ اور مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ قیامت کے احوال کو ہمارے تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ صرف اصل حقیقت کا ہلکا سا تصور ہے جبکہ ان کی اصل حقیقت ان کے مقابلہ میں نہ معلوم کتنے گنا زیادہ ہوگی۔ اس کے باوجود اس ہلکے سے تصور یا حقیقت کے پرتو سے بھی جنت کی نعمتوں اور دوزخ کی ہولناکیوں کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے جو اس انتباہ کے لیے کافی ہے کہ جو لوگ دوزخ کے عذاب سے بچنا چاہتے ہیں وہ خدا کی نافرمانی ترک کر کے فرمانبردار بندے بن جائیں۔ اس کے باوجود جو لوگ آخرت کے عذاب سے متنبہ نہ ہوں اور جانتے بوجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی زندگی گزار دیں تو یہ انتباہ ان پر اتمام حجت کے لیے کافی ہوگا جس کے بعد قیامت کے دن ان کا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہوگا۔ اس طرح جو لوگ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بن کر زندگی بسر کریں گے ان کے لیے خوشخبری ہے کہ اگر وہ اس راہ پر ثابت قدم رہیں اور اس راہ کی مشکلات اور مصائب کو برداشت کریں تو اس کے صلہ میں وہ جنت کی نعمتوں کے حق دار ٹھہریں گے۔

برزخ:

موت اور قیامت کے درمیان برزخ کی زندگی ہے جو دراصل قیامت ہی کا دیباچہ ہے۔ موت کے ساتھ ہی عالم آخرت کے احوال کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اہل ایمان کو ایمان کی حقانیت اور اس کے اچھے انجام کی شہادت مل جاتی ہے اور کفار کے سامنے اس کے انجام کے ظہور کا آغاز ہو جاتا ہے جس کی وہ دنیا کی زندگی میں بھی تکذیب کرتے رہے تھے۔ اس کے بعد کسی کے لیے بھی روز جزا و سزا کے متعلق کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

عذاب قبر:

عذاب قبر کے متعلق بعض غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مرنے کے ساتھ ہی اعمال کے مطابق فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور اس کو دوزخ یا جنت میں بھیج دیا جاتا ہے، لیکن یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کیونکہ حساب کتاب اور اعمال کی جواب دہی سے قبل کسی کے انجام کا فیصلہ عدل کے تقاضوں کے مطابق نہیں۔ اعمال کی جواب دہی کا دن تو قیامت کا دن ہے۔ اس دن ہر شخص کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا اس کے نتیجہ میں کسی کو جنت یا دوزخ میں بھیجنے کا فیصلہ ہوگا لہٰذا حساب کتاب سے قبل جو قبر کی زندگی یا برزخی زندگی ہے اس میں عذاب کے کیا معنی ہو سکتے ہیں۔ اس کو ہمارے روزمرہ کے تجربات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر کوئی شخص دن میں اچھے اور نیک کام کرتا ہے تو اس کو رات میں سہانے خواب نظر آتے ہیں وہ میٹھی نیند کے مزے لوٹتا ہے اور وہ صبح جب بیدار ہوتا ہے تو چاق و چوبند، خوش و خرم اور ہشاش بشاش ہوتا ہے۔ جو شخص دن برے کاموں میں گزارتا ہے اس کو رات میں ڈراؤنے خواب نظر آتے ہیں اس کی رات بڑی بے چین گزرتی ہے۔ صبح کے وقت وہ بہت مضمحل ہوتا ہے۔ اسی طرح برزخی زندگی انسان کے دنیاوی اعمال کا ہلکا سا پرتو ہوگا۔ ایمان اور عمل صالح کی زندگی گزارنے والے برزخی زندگی میں نہایت سکون اور اطمینان سے رہیں گے۔ وہ جنت کی معمولی جھلک بھی دیکھیں گے اور اپنے انجام سے خوش و خرم ہوں گے۔ ان کے اعمال نامے علیون میں ہوں گے۔ اس کے برعکس خدا کے باغی اور سرکش بندوں پر ان کی بدانجامی اپنی جھلک دکھائے گی لہٰذا وہ اپنی برزخی زندگی میں مضطرب، ڈرے اور سہمے ہوئے ہوں گے۔ قرآن میں جگہ جگہ اس بات کی تصریح ہے کہ مرنے کے بعد نیک روح پر ان کے اعمال کے اعتبار سے کیفیات کا صدور ہونے لگتا ہے اور ارواح خبیثہ پر ان کے اعمال کے اعتبار سے۔ یہ گویا ان کے لیے جنت یا دوزخ کی تمہید ہوگی۔ برزخی زندگی میں ان کو صبح و شام جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے کہ وہ دیکھتے رہیں کہ ان کا اصل ٹھکانہ کیا ہوگا۔

سورہ مومن میں بتایا گیا ہے کہ فرعون کو صبح و شام دوزخ کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے اور جب قیامت کا دن آئے گا تو حکم ہوگا کہ فرعون اور اس کے اتباع کرنے والوں کو دوزخ کے شدید ترین عذاب میں جھونک دو۔ چنانچہ فرمایا:

''آگ ہے جس پر صبح و شام وہ پیش کیے جاتے ہیں اور جس دن قیامت ہوگی حکم ہوگا کہ فرعون والوں کو بدترین عذاب میں داخل کر دو''۔ (المومن: ۴۶)

حدیثوں میں عذاب قبر کا جو ذکر آتا ہے وہ اسی برزخی زندگی سے متعلق ہے۔

صور اول

قیامت واقع ہونے سے قبل اس کائنات کی بساط لپیٹ دی جائے گی اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے ... سے صور پھونکا جائے گا جو صور اول کہلاتا ہے۔ صور ایک کڑک اور دل ہلا دینے والی چیخ ہوگی اس کی ... اتنی ہولناک ہوگی جو کانوں کو بہرہ کر دے گی جس طرح کوئی رات میں آنے والا دروازہ کو کھٹکھٹا ... اور گھر کے تمام سونے والوں کو دفعتاً ہڑبڑا دیتا ہے وہی حال صور پھونکنے کے بعد ہوگا جس سے دفعتاً ... عالم میں ہلچل برپا ہو جائے گی۔ زمین بالکل ہلا دی جائے گی، پہاڑ غبار کی طرح پراگندہ ہو جائیں گے۔ زمین کی ساری بلندیاں پست کر دی جائیں گی ایک ایسا زلزلہ آئے گا جو پوری زمین کو جھنجھوڑ کر اس ... اور محلوں کو زمین بوس کر دے گا۔ فرمایا:

''جبکہ زمین ہلا دی جائے گی جس طرح اس کو ہلانا ہے۔'' (الزلزال: ۱)

... فرمایا:

''اور اس دن زمین اور پہاڑ دونوں اٹھا کر پاش پاش کر دیے جائیں گے۔ پس اس دن واقع ہونے والی واقع ہو جائے گی''۔ (الحاقہ: ۱۴۔۱۵)

اس دن کائنات کی نمایاں ترین چیزوں کا جو حال ہوگا ان کا اجمالاً تذکرہ ذیل میں کیا جا رہا ہے۔

آسمان کا حال:

صور قیامت سے آسمان کی کھال کھینچ لی جائے گی یہ نیلگوں چھت سرخ کھال کی طرح نظر آنے لگے گی جس طرح سے کہ گوشت پر سے کھال کھینچ لی جائے تو اندر سرخ سرخ گوشت نظر آنے لگتا ہے۔ سورہ رحمٰن میں فرمایا:

''پس یاد رکھو اس وقت کہ جب آسمان پھٹ کر کھال کی مانند سرخ ہو جائے گا''۔ (الرحمٰن: ۳۷)

اس دن یہ آسمان جو آج نہایت مستحکم اور گنبد بے در کی شکل میں نظر آتا ہے اس طرح کھول دیا جائے گا کہ اس میں ہر طرف دروازے ہی دروازے نظر آئیں گے اس طرح یہ گنبد بے در ہزاروں ... دروازوں میں تبدیل ہو کر نابود ہو جائے گا۔ چنانچہ فرمایا:

''اور آسمان کھولا جائے گا تو اس میں دروازے ہی دروازے ہوں گے''۔ (النبا: ۱۹)

اجرامِ فلکی:

آسمانِ بلکہ اس پوری کائنات کی روشن ترین چیز سورج اور چاند ہے۔ صورِ قیامت کے ساتھ ہی سورج اور چاند جمع کر دیے جائیں گے جن کا جمع ہونا اس دنیا میں محال نظر آتا ہے۔ سورہ قیامہ میں فرمایا:

''پس جب نگاہیں خیرہ ہو جائیں گی اور سورج گہنا جائے گا اور سورج اور چاند اکٹھے کر دیے جائیں گے''۔ (القیامہ: ۸۔۹)

سورج اور چاند جمع ہونے کے متعلق مولانا حمید الدین فراہی نے سورہ قیامہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ بہت سے اجرام سورج کی طرف جذب ہو کر اس میں جا پڑے ہیں۔۔۔۔ اور چونکہ سورج کی حرارت اس وقت کم ہو جائے گی۔ اس وجہ سے باوجود سورج کے قریب کے انسان زندہ رہ سکیں گے، لیکن اس کی روشنی سے اس کی نگاہیں خیرہ ہوں گی۔ اسی طرح چاند پہلے تو گہنا جائے گا کیونکہ کرہ زمین کے سورج کے قریب پہنچ جانے کی وجہ سے چاند کی روشنی باقی رہے گی اور پھر وہ سورج کے اندر جا پڑے گا''۔

آخرکار سورج کی بساط بھی لپیٹ دی جائے گی جس سے سارا عالم تیرہ و تار ہو جائے گا جو اس کی تابانی سے روشن ہے۔ ظاہر ہے کہ جب سورج ہی تاریک ہو جائے گا تو اس کے نظام سے وابستہ جتنے بلب اور قمقمے ہوں گے سب بے نور ہو جائیں گے یعنی چاند اور ستارے جو سورج سے روشنی مستعار لیتے ہیں از خود بے نور ہو جائیں گے جس کے بعد سارے عالم پر ظلمت طاری ہو جائے گی۔ چنانچہ فرمایا:

''جبکہ سورج کی بساط لپیٹ دی جائے گی اور ستارے بے نور ہو جائیں گے''۔ (التکویر: ۱۔۲)

زمین کا احوال:

اس دن زمین تان دی جائے گی۔ آج زمین میں جو بہت سی شکنیں اور سلوٹیں اور نشیب و فراز، وادیاں، کہسار اور پہاڑ ہیں ان کی اونچ نیچ اور تہوں میں بے شمار چیزیں چھپی ہوئی ہیں جو نظر نہیں آ رہی ہیں، لیکن قیامت کے دن یہ ایک چادر کی طرح تان دی جائے گی اور جو کچھ اس کی سلوٹوں میں ہے وہ اس کو نکال باہر کر کے فارغ ہو جائے گی۔ یعنی صرف مردے ہی نکال کر باہر نہیں پھینکے گی بلکہ وہ ساری چیزیں جو زمین میں دفن ہیں زمین نکال باہر کرے گی جن میں سرمایہ داروں کے خزانے بھی ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

''اور جب کہ زمین تان دی جائے گی اور وہ اپنے اندر کی چیزیں باہر ڈال کر فارغ ہو جائے گی''۔ (الانشقاق: ۳۔۴)

پہاڑ:

زمین کی سب سے شاندار چیز پہاڑ ہیں جو زمین میں گڑے ہوئے ہیں جن کو غیر فانی اور اٹل سمجھا جاتا ہے۔ ان کو ہلایا نہیں جا سکتا۔ یہ اس دن چلا دیے جائیں گے اور یہ اس طرح اڑتے پھریں گے جس طرح بادل اڑتے پھرتے ہیں۔ یہ پہاڑ دھنکی ہوئی اون کی مانند ہو جائیں گے جس طرح دھنکی ہوئی اون کا ریزہ ریزہ الگ ہو جاتا ہے اسی طرح پہاڑوں کا ذرہ ذرہ پراگندہ ہو جائے گا۔ آج یہ پہاڑ ٹھوس پتھر ہیں لیکن قیامت کے دن یہ ریت کے تودوں کی طرح پھسپھسے ہو جائیں گے۔ سورہ القارعہ میں فرمایا:

''اور پہاڑ دھنکی ہوئی اون کے مانند ہو جائیں گے''۔ (القارعہ: ۵)

سمندر:

زمین کی دوسری نمایاں ترین چیز سمندر ہیں قیامت کی جب ہلچل برپا ہو گی تو سمندر ابل پڑیں گے اور اپنی حدوں سے آزاد ہو کر زمین پر پھیل جائیں گے اور ہر نشیب و فراز پر چھا جائیں گے۔ فرمایا:

''اور جبکہ سمندر پھٹ پڑیں گے''۔ (الانفطار: ۳)

وحشی جانور:

قیامت کے ہول سے جانوروں پر بھی ایسی نفسی نفسی کی حالت طاری ہو گی کہ ان کو جس جگہ پناہ ملنے کی توقع ہو گی آپس کی فطری دشمنیاں بھول کر سب اکٹھے ہو جائیں گے۔ جنگل میں آگ لگ جائے یا سیلاب کا پانی پھیل جائے تو جنگلی جانور سراسیمگی کی حالت میں جس ٹیلے اور ٹھیکرے پر ان کو پناہ ملنے کی توقع ہو، وہاں اکٹھے ہو جاتے ہیں اور مشترک مصیبت کا ہول ان سب پر ایسا طاری ہوتا ہے کہ بکری، شیر اور بھیڑیے پاس کھڑے ہو جاتے ہیں، لیکن کسی کو ہوش نہیں رہتا کہ اس کا حریف شکار اس کے بغل میں ہے۔ یہی صورت حال خوفناک ترین شکل میں ظہور قیامت کے وقت پیش آئے گی۔ چنانچہ فرمایا:

''وحشی جانور اکٹھے ہو جائیں گے''۔ (التکویر: ۵)

عبدالرشید عراقی

علم وعمل کی جیتی جاگتی شخصیت

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

پروفیسر رشید احمد صدیقی مرحوم اپنی کتاب ''گنج ہائے گرانمایہ'' میں لکھتے ہیں کہ ''موت سے کسی کو مفر نہیں''۔ لیکن جو لوگ ملی مقاصد کی تائید وحصول میں تادم آخر کام کرتے رہتے ہیں، وہ کتنی ہی طویل عمر کیوں نہ پائیں ان کی وفات قبل از وقت اور تکلیف دہ محسوس ہوتی ہے۔ خالد مسعود صاحب جو خاموشی سے دین اسلام کی خدمت میں ہمہ تن مصروف رہے، ان پر یہ جملہ مکمل طور پر صادق آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ دعوت اسلامی میں انھوں نے جو حصہ لیا، اللہ تعالیٰ ان کو اس کا پورا پورا اجر عطا فرمائے۔ مرحوم خالد مسعود نیک سیرت، شریف النفس، ملنسار، بہت سادہ طبیعت کے مالک، کم سخن، متواضع اور اس کے ساتھ دانشور، محقق، ادیب اور مصنف تھے۔ جتنا ان کو قریب سے دیکھا خوبیاں ہی خوبیاں ملیں۔ ان سے میری خط کتابت کا سلسلہ ۱۹۷۴ء میں شروع ہوا اور پہلی ملاقات بھی ان سے ۱۹۷۴ء میں وزیر آباد میں ہوئی۔ ان سے خط کتابت کا سلسلہ آخر تک جاری رہا، لیکن افسوس کہ میں ان کا ایک خط بھی محفوظ نہ رکھ سکا۔

مرحوم خالد مسعود قدرت کی طرف سے اچھا دل ودماغ لے کر پیدا ہوئے تھے۔ روشن فکر، دردمند دل اور سلجھا ہوا دماغ پایا تھا۔ بہت ذہین اور فطین تھے۔ ٹھوس اور گہرا مطالعہ ان کا سرمایہ علم تھا۔ تاریخ پر ان کی گہری نظر تھی۔ خاص کر اسلامی تاریخ پر ان کا مطالعہ بہت زیادہ وسیع تھا۔ ان کی تحریر بڑی جامع اور معلوماتی ہوتی تھی۔ جو شخص مرحوم کی تحریروں کو پڑھے گا اسے معلوم ہوگا کہ ان کے ایمان میں کس قدر قوت تھی اور ان کا ادب کس قدر بلند اور شستہ تھا۔ ان کی تحریر فنی انداز میں تہذیب وادب کی تحریر تھی جس سے ان کے گہرے مطالعہ، باریک بینی اور دینی تڑپ کا اندازہ ہوتا ہے۔

مرحوم خالد مسعود کم سخن مگر فعال، سنجیدہ مگر سرگرم اور نبض شناس تھے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ

مرحوم ذہانت، ذکاوت اور بیدار دماغی میں ممتاز تھے اور بلند مقام ومرتبہ کے حامل تھے۔ وہ اپنے اندر دین اسلام کی اشاعت اور ترقی کا جذبہ رکھتے تھے۔ اور اس سلسلہ میں انھوں نے اپنی صحت کو بھی داؤ پر لگانے کا دریغ نہیں کیا۔ وہ خود ستائی اور خود بینی جیسی انسانی کمزوریوں میں مبتلا نہ تھے بلکہ اس کے برعکس ان کے اندر انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ان میں اخلاص کی چاشنی اور شفقت کی مٹھاس تھی۔ جب بھی ملاقات ہوتی بڑی محبت سے ملتے۔ مہمان نوازی میں بہت زیادہ آگے تھے اور اس میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے تھے۔

ان سے جب بھی ملاقات ہوتی تقریباً دو ڈھائی گھنٹہ کی نشست ہوتی اور مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی۔ بڑے اچھے انداز میں گفتگو کرتے۔ مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم کا ذکر آتا تو ان کے وسیع مطالعہ، تدبر میں، اور ان کی دینی بصیرت اور اختلاف مذاہب پر ان کی نپی تلی رائے کا تفصیل سے ذکر کرتے تھے۔

میں جب بھی ان سے ملتا تو ان سے ضرور یہ بات کہتا کہ:

''مولانا امین احسن اصلاحی فکر فراہی کے ناشر تھے۔ اور آپ فکر اصلاحی کے ناشر ہیں''۔

میری اس بات پر مرحوم خالد مسعود جواب دیتے کہ: ''یہ آپ کا حسن ظن ہے''۔

مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم مدرسۃ الاصلاح سرائے میر ضلع اعظم گڑھ (بھارت) کے فارغ التحصیل تھے۔ اس مدرسہ کے کارکنان نے مولانا اصلاحی مرحوم کی یاد میں ایک سیمینار کا انعقاد کیا۔ مرحوم خالد مسعود نے اس سیمینار کے افتتاحی اجلاس کی صدارت کی تھی اور مولانا اصلاحیؒ کے زندگی کے مختلف گوشوں پر ایک مقالہ پڑھا تھا۔

سہ ماہی تدبر مولانا امین احسن اصلاحی کی نگرانی میں جاری ہوا۔ خالد مسعود صاحب اس کے مدیر تھے۔ تدبر میں زیادہ تر مقالات مولانا اصلاحی کے شائع ہوتے رہے ہیں۔ دوسرے اصحاب کے بھی ہوتے تھے، مگر بہت کم۔ اداریہ عموماً جناب خالد مسعود ہی لکھتے تھے اور ان کے مقالات بھی شائع ہوتے تھے جو اپنے موضوع کے اعتبار سے بڑے جامع اور معلوماتی ہوتے تھے۔ تدبر میں کبھی کبھی نئی کتابوں پر تبصرے بھی شائع ہوتے تھے اور یہ تبصرے خالد مسعود مرحوم کے قلم سے شائع ہوتے تھے۔ تبصرے میں کتاب کے بارے میں صحیح معلومات فراہم کرتے تھے اور اس کے ساتھ مصنف کو کتاب کے بارے میں مشورہ بھی دیتے تھے۔

مرحوم خالد مسعود سے محبت وعقیدت رکھنے کے باوجود ہم ان کو فرشتہ نہیں ایک انسان ہی سمجھتے ہیں۔ اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں ہے کہ انھوں نے دین کی خاطر بہت سی کلفتیں مول لے کر اپنے راحت و

آرام کو خیر باد کہہ دیا تھا۔ انہوں نے بیمار رہ کر وہ کام کیے جو بہت سے لوگ تندرست اور صحت مند رہ کر نہیں کر سکتے۔

خالد مسعود اب وہاں ہیں جہاں ایک روز سب کو جانا ہے۔ مگر جن لوگوں کو ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ہے وہ ان کی شرافت' سادگی اور ان کے فکری رجحانات کو یاد کر کے دل سے دعا کریں گے کہ ان کی زندگی کے روشن کارنامے اُن کے لئے توشۂ آخرت بنیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور یہ کہہ رہے ہوں گے:

رب اغفر و ارحم وانت خیر الرحمین

تدبر قرآن

۹ جلدوں میں مکمل تفسیر قرآن

مولانا امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ

★ فکر فراہی و اصلاحی کی اہم ترین دستاویز اور خزینہ معارف
★ کتاب الٰہی کے علم و حکمت کو الفاظ، جملوں، آیات، مجموعہ آیات، سورتوں اور سورتوں کے گروپوں کی سطح پر سمجھنے سمجھانے کے لیے
★ نظم و نظام قرآن کی اساس پر تفسیری لٹریچر میں گراں قدر اضافہ
★ سلف صالحین کے اصولوں پر جدید اسلوب میں
★ عہد نو کے تقاضوں کے عین مطابق

صفحات 6074 ، قیمت : 2952 روپے

اجتہاد کی اہمیت

سوال: ایک شخص استدلال اور دلیل کے ذریعے ایک بات معلوم کرتا ہے، وہ افضل ہے یا جو کشف و الہام کے ذریعے سے معلوم کرتا ہے وہ افضل ہے؟ شاہ ولی اللہ نے تو اپنے کشف و کرامات لکھے ہیں؟

جواب: ہمارے لئے حکم ہے کہ جو قرآن و حدیث میں ہے وہ مانو اگر اس میں نہ ملے تو پھر اجتہاد کرو۔ اجتہاد کے معنی محنت کرنا، استدلال کرنا اور دلیل کی روشنی میں معلوم کرنا ہے۔ اسی بات کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ ہمیں الہام اور کشف کا انتظار کرنے یا رویا دیکھنے کا حکم نہیں دیا گیا اگر ایک مجتہد غلطی بھی کرتا ہے تب بھی اس کو محنت کا ثواب ملے گا اور اگر صحیح کرے گا تو دوہرا ثواب۔

انبیاء کرام کی بات اور ہے۔ ان پر الہام ہوتا ہے، کشف ہوتا ہے اور اگر کوئی غلطی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی اصلاح فرما دیتا ہے۔ میرے نزدیک عقل، دلیل اور استدلال کا راستہ ہمارے اور آپ کے لئے جائز ہے۔ اگر آپ کشف اور الہام پر یقین کریں اور قرآن کو اس سے سمجھنے کی کوشش کریں تو میرا خیال ہے کہ پھر آپ جنت کی کوئی امید نہ رکھیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب بزرگ آدمی تھے اور صوفی بھی تھے، میں بھی ان کو مانتا ہوں۔ ان کی فیوض الحرمین میں نے پڑھی ہے۔ اس میں انھوں نے اپنے کشف و کرامات لکھے ہیں۔ میں نے ان کے حوالے اپنی کتاب تزکیہ نفس میں دیئے ہیں اور میں نے وہاں لکھا ہے کہ یہ الہام ہو تو سکتا ہے لیکن شیطانی الہام ہے اور یہ رحمانی الہام نہیں ہے۔ آج تک کسی کو جرأت نہیں ہو سکی کہ انکار کرے۔ میرے نزدیک یہ ہے کہ اگر آپ ذی علم آدمی ہیں تو اجتہاد کریں ورنہ کسی عالم سے جس پر آپ کا اعتماد ہو فتویٰ پوچھ لیں۔

سوال: تعدد ازدواج کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: تعدد ازدواج سے متعلق میری رائے یہ ہے کہ کسی دینی، کسی معاشرتی یا کسی قومی مصلحت کے تحت اس کی اجازت ہے۔ قرآن مجید نے مصالح کو پورا کرنے کے لئے اس کی اجازت دی ہے مثلاً کسی زمانہ میں جنگ کی وجہ سے مردوں کی قلت ہو جائے تب اس طرح کے حل کی ضرورت

پیش آ سکتی ہے۔ یتیموں کے مال کے تحفظ کے نقطہ نظر سے تو قرآن مجید نے ذکر کیا ہے۔ ظاہر ہے اگر انتظام میں یتیم بچوں کی ماں شریک ہو جائے تو ان کے مال کی بہتر حفاظت ہو سکتی ہے تو اس مصلحت سے بھی کثرت ازدواج کی اجازت ہے۔ سورۃ النساء کی آیت کو لوگوں نے صحیح نہیں سمجھا ہے، میں نے بات واضح کر دی ہے کہ وہاں یتیموں کی ماؤں کا ذکر ہے۔

قرآن کا رسم الخط:

سوال: کیا قرآن حکیم کا رسم الخط توقیفی ہے؟

جواب: قرآن کی زبان قریش کی زبان ہے اور اسی زبان میں اترا ہے۔ صحیح قرأت بھی اسی زبان میں ہو سکتی ہے۔ اس لئے درست رسم الخط بھی اسی کا رسم الخط ہوگا۔ اگر آپ کسی اور رسم الخط میں لکھیں گے تو وہ ٹھیک نہیں ہوگا۔ آپ انگریزی زبان کو لے لیجئے اس کے حروف و الفاظ الگ ہیں اور عربی کے الگ۔ عربی کے بعض حروف تو انگریزی میں ادا ہی نہیں ہو سکتے اگر انگریزی میں قرآن لکھا جائے تو میں نہیں سمجھتا کہ اسے کوئی پڑھ سکے گا۔ میرے نزدیک قرآن کا رسم الخط توقیفی اس معنی میں ہے کہ صحیح طریقہ پر محفوظ رکھنے کا وہ لازمہ ہے۔

سوال: کیا قرآن پر اعراب لگانا بدعت ہے؟

جواب: اعراب قرأت کے تابع ہے اور قرأت متواتر اور معروف ہے۔ قرآن خود کہتا ہے کہ ہم نے تمھاری زبان میں اتارا ہے۔ قرأت کے معاملہ میں کچھ اختلاف پیدا ہونے لگا تو سیدنا عثمان غنیؓ نے اسی قرأت پر جمع کر دیا۔ اعراب اس ہی قرأت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس لئے اعراب لگانے میں کوئی بدعت نہیں ہے بشرطیکہ آپ اعراب قرأت کے خلاف نہ لگائیں۔

تاریخ کا عظیم موحد:

سوال: • کردار کے لئے سقراط کی مثال دی جاتی ہے۔ مسلمانوں میں سے امام مالکؒ یا امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کی بھی تو مثال دی جا سکتی ہے مگر کافر کی مثال کیوں دی جاتی ہے؟

جواب: سقراط یونان میں پیدا ہوا اور چند شریر لوگوں نے اس کو زہر پلا دیا۔ اس کو کافر کہنا بڑی زیادتی ہے۔ توحید کو اس نے جس شاندار اور زوردار طریقے سے پیش کیا یہ اسی کا کمال ہے۔ میں اس کو کامل موحد مانتا ہوں اور کسی موحد کو میں کافر نہیں کہتا۔ یہ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ دوسری قوموں میں بھی انبیاء پیدا ہوئے ہیں، لیکن سقراط کے متعلق ہم یہ تو نہیں کہتے کہ یہ نبی ہیں۔ اس کی وجہ یہ

ہے کہ ہم نبی اور رسول صرف انہی کو کہتے ہیں جن کا ذکر قرآن میں ہے۔ قرآن میں یہ بات بھی آئی ہے کہ دنیا کی اور قوموں میں بھی ہم نے کتنے نبی بھیجے ہیں جن کا ذکر تم سے نہیں کیا گیا۔ اس لئے ہم انکار بھی نہیں کر سکتے۔ فطرت کا تقاضا بھی یہی ہے۔

اشخاص کے درمیان فرق اور موازنہ کرنا، یہ میرا کام نہیں ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ امام مالکؒ اور امام احمد حنبلؒ کے اندر بھی بڑی خوبیاں تھیں اور دونوں عزیمت کے راستہ میں زبردست آدمی تھے۔ امام مالکؒ نے طلاق مکرہ کے معاملہ میں خلیفۂ وقت کا جس طرح مقابلہ کیا وہ قابل تعریف ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے بھی بڑی عزیمت کا ثبوت دیا اور اس میں شبہ نہیں کہ آپ بڑے عظیم شخص تھے۔

صحابی کی مروجہ تعریف:

سوال: آپ کہتے ہیں کہ سلف سے صرف صحابہ کرام مراد لینے چاہیں۔ صحابہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: عام لوگوں کا تو یہ خیال ہے کہ جس نے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا وہ صحابی ہے۔ علماء اور فقہاء کے نزدیک صحابی وہ لوگ ہیں جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہو۔ ان کی زندگی میں جو غزوات ہوئے ان میں شریک ہوئے ہوں۔ نبیؐ نے جو تعلیم دی اس کے منتقل کرنے کا ذریعہ بنے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے کاموں میں ہاتھ بنایا ہو اور مشکلات و مصائب میں صبر کا مظاہرہ کیا ہو۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ بھی یہی لوگ ہیں۔

اطمینان قلب حاصل کرنے کا طریقہ:

سوال: ہم ایسے کون سے کام کریں جن سے ہمیں اطمینان قلب حاصل ہو سکے؟

جواب: اطمینان قلب بہت بڑی نعمت ہے اور یہ کبھی کبھی ہم جیسے گنہگاروں کو بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ ہر انسان کو کوشش کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس حالت کو مستقل کر دے اور مستقل نہ بھی ہو تو کوشش کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس نعمت سے نوازے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا طریقہ بھی بتا دیا ہے کہ ”الا بذکر اللہ تطمئن القلوب“ (سن لو کہ اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو طمانیت حاصل ہوتی ہے) ذکر کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں، مثلاً درس قرآن بھی ذکر ہے، قرآن کا پڑھنا بھی ذکر ہے اور نماز بھی ذکر ہے۔ قوم کی خدمت کرنا، میزبانی کرنا اور کسی کی مصیبت میں کام آنا یہ سب